امام کا تقرر
مؤلف
السید خورشید عباس گردیزی
شعبِ ابی طالب 59 طارق روڈ
ملتان پاکستان
فون: 061-4514224

امام کا تقرر

مؤلف

السید خورشید عباس گردیزی

www.kitabmart.in

نام کتاب: امام کا تقرر

مؤلف: السیّد خورشید عباس گردیزی

کمپوزنگ: محمد جمیل قریشی

مطبوعہ: الکتاب گرافکس، ملتان

سن اشاعت: دسمبر 2006ء

تعداد: 500

ہدیہ: -/100 روپے

ملنے کا پتہ:

1- السید خورشید عباس گردیزی، شعب ابی طالب
59- طارق روڈ، ملتان (فون:4514224)

2- علیؑ یونیورسٹی، بوسن روڈ، P/O بہاء الدین زکریا
یونیورسٹی، ملتان (فون:4745840)

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ○
اَلَّذِىْ قِيْلَ فِىْ شَانِهٖ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا
رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى
جَمِيْعِ الْاَئِمَّةِ الطَّاهِرِيْنَ ○

تمہید

میں بندۂ حقیر سیّد خورشید عباس گردیزی فرزندِ کبیر الحاج السیّد محمّد رمضان شاہ گردیزی ساکن ملتان یہ کتاب لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے شروع سے علمی گفتگو کرنے کا شوق تھا اور مسئلۂ نیابت (خلافت) پر گفتگو کرتا اور شروع سے ہی اپنے مولائے کائنات حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان کہ تم کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ اس نے کہا کیا ہے، پر عمل کرنے کا قائل تھا۔ مسئلۂ نیابت چوں کہ مابین مسلمین مختلف فیہ تھا کہ آیا کائنات کا نبی حضرت محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے بعد اُمّت کی رہنمائی کے لیے کسی کو اپنا نائب (خلیفہ) مقرر کیا یا نہیں؟ اور مسئلۂ خلافت ہی

مسلمانوں اور مومنوں کی پہچان اور ہمیشہ جنت میں رہنے کا سبب ہے۔

اس سے پہلے میں نے ''ارضِ کربلا'' نامی کتاب تحریر کی اور اب مسئلۂ نیابت پر ایک مختصر کتاب بنام ''امامؑ کا تقرر'' تحریر کر رہا ہوں۔ اس کتاب میں نیابتِ رسولؐ کے ثبوت، نائبِ رسولؐ کا تقرر، اس کی شرائط اور اس کی عصمت کے دلائل موجود ہیں۔ میں نے اس موضوع پر مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن مجھے سب سے زیادہ مدلل کتابیں شیخ حسن بن یوسف علامہ حلیؒ کی الفین اور شرح باب حادیعشر۔۔۔ معلوم ہوئیں۔ انہی کے دلائل کو جمع کر کے مختلف ابواب کے ساتھ ترتیب دے کر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ واضح کر دوں کہ میرا اس کتاب کے تحریر کرنے میں کسی مذہب و عقیدہ پر طنز یا مخالفت کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصد فقط حقائق کو واضح کرنا ہے۔ موجودہ کتاب میں زیادہ تر نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل پر انحصار کیا گیا ہے کیوں کہ آجکل کے دور میں جو بات عقلاً ثابت کی جائے وہ زیادہ آسان اور ہر شخص جلدی سے سمجھ سکتا ہے اور اس مسئلہ کا ثبوت اُمر بالمعروف سے ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ہی روزِ قیامت جواب دہ ہوگا۔ اس لیے اسے اپنا فرض سمجھتے ہوئے تحریر کر رہا ہوں اور میں نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہ ہو لیکن پھر بھی ممکن ہے اس میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین کرام سے گزارش ہے کہ مجھے معاف فرمائیں گے۔ اس کتاب کے لکھنے کا ثواب میں بحق محمد و آلِ محمد اپنے والدین کی روح کو ایصال کرتا ہوں اور ساتھ ہی دُعا فرمائیں کہ یہ میرے لیے بھی باعثِ ثواب و نجات ہو اور مجھے وکیلِ محمد و آلِ محمد ہونے کی توفیق نصیب ہو۔ آخر میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کتاب ہذا کے لکھنے میں میرے ساتھ

تعاون فرمایا۔ جن میں مولانا ظفر حسین حقانی پرنسپل علی یونیورسٹی بوسن روڈ ملتان، مولانا جواد حسین خان، ایم فل، مُدرّس علی یونیورسٹی اور پروفیسر ڈاکٹر جناب السید فضل عباس شوذب کاظمی قابلِ ذکر ہیں۔

سیّد خورشید عباس گردیزی

ملتان،

مطابق ۱۱/ذیقعد ۱۴۲۷ھ

اتوار ۳/دسمبر ۲۰۰۶ء

امام کی تعریف

دین اور مذہب کے نقطۂ نظر سے امام وہ ہستی ہے جس کی اِس دنیا میں، دین اور دنیا کے امور میں نبی کی نیابت کے طور پر عام سرداری اور حکومت ہو اور وہی نبی کا خلیفہ بھی کہلاتا ہے۔

۱- امام کے معنی سردار یا پیشوا کے ہیں۔ سردار کی ضرورت سے تو کسی کو انکار نہیں ہے [۱] گھر کا سردار [۲] خاندان یا قبیلہ کا سردار [۳] قوم کا سردار [۴] قافلہ کا سردار [۵] فوج کا سردار وغیرہ۔ سردار کی یہ قسمیں سب کے نزدیک مانی ہوئی ہیں۔ یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ سردار وہی شخص ہوتا ہے جو اپنے گروہ میں متعلقہ خدمات اور ذمہ داریوں کو انجام دینے میں سب سے لائق ہو۔ سب سے زیادہ تجربہ کار اور متدیّن اور بے لوث ہو۔ جو اپنے ذاتی نفع کو یا رشتہ داروں اور دوستوں کے نفع کو دوسروں کے نفع پر مقدم نہ کرے، جو غلطی کم کرتا ہو۔

۲- پھر اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے جس کو تمام امور کا پورا علم اور پورا پورا تجربہ ہو اور کسی بات میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اور اگر ایسا کوئی مل جائے جس کے خطا کار نہ ہونے کا ہم کو کسی ذریعہ سے یقین ہو تو سردار کا

عہدہ خاص اُسی کے لائق ہے اور سرداری کے لائق کوئی شخص اس سے بہتر نہ ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ ایسا آدمی کوئی ہو بھی سکتا ہے جو کسی بات میں خطا نہ کرے۔ یہ مسئلہ اس بحث کے موضوع سے مقدم اور پہلے طے کرنے کا ہے۔ اِس کے لئے علم کلام میں نبوّت کی بحث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہاں اِس کو تسلیم کر لیجئے کہ ہاں خدا کو ایسے شخص کے پیدا کرنے کی قدرت ہے جو معصوم ہو۔ ہدایت کے لیے عصمت کی ضرورت اور معصوم کے وجود سے اہلِ اسلام کو تو انکار نہیں ہے۔ ورنہ عصمت کے حصار کے بغیر نبوت کا کام کیسے چل سکے گا۔ دُنیوی اُمور کے انتظام میں سردار کی ضرورت کے تو دین دار اور بے دین سب قائل ہیں۔

امام کی ضرورت اور وجوب

خوارج کے چند فرقوں کے سوا تمام زمانے کے صاحبانِ عقل پابند مذہب ہوں یا نہ ہوں، امام کے ضروری ہونے پر فی الجملہ متفق ہیں۔ خوارج کے فرقوں کا قول ہے کہ لا امر الا اللہ یعنی خدا کے سوا سرداری کسی کو زیبا نہیں۔ اس قول کی نسبت امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا۔ سچی بات کہتے ہیں مگر مراد لینے میں غلطی کرتے ہیں۔ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ سرداری اصل میں خدا کے سوا کسی کو زیبا نہیں مگر خدا اپنا نائب کر کے کسی کو سردار بنا سکتا ہے۔ اس نائب کی سرداری اصالتاً نہ ہوگی، اصالتاً تو سردار وہی خدا ہے۔

امام وخلیفۂ رسول کون مقرر کرے

امام و خلیفہ رسولؐ مقرر کرنے کا اختیار اُمت کو ہے یا خدا اور رسول کو دینِ محمدیؐ میں جس قدر خرابیاں پیدا ہوئیں۔ فرقہ بندی، لڑائی جھگڑے، خون ریزی، شرعی احکام کی تبدیلی، قرآن اور حدیث کی تاویل۔ غرض جو کچھ ہُوا اَور ہوتا ہے، سب اسی عقیدے کا نتیجہ ہے۔ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا نے اور اس کی نیابت میں رسولؐ نے اُمت کی ہدایت میں بظاہر بہت سی معمولی باتوں کا بھی ذکر کیا۔ تو کیا اتنی ضروری اور اہم بات یعنی امام اور خلیفۂ رسول کے مقرر کرنے میں خدا اور رسولؐ نے بالکل سکوت اختیار کیا۔ جس کی وجہ سے اُمت طرح طرح کی ذلالت اور گمراہی میں پڑ گئی؟

اس مسئلہ کے اختلاف سے دوسرے مسئلہ یعنی امام اور خلیفۂ رسول کے معصوم ہونے میں بھی اہلِ اسلام میں ایسا اختلاف ہوا کہ بہت سے لوگ بالعموم یا بعض اُمور میں نبی اور رسول کے معصوم ہونے کے بھی منکر ہو گئے اور ضرور ہونا بھی چاہیئے۔ اس لئے کہ فرضِ منصبی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی اُمت کی ہدایت جو کام نبی سے اصالتاً متعلق ہے، وہی کام خلیفہ اور امام سے نیابتاً متعلق ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نبی پر شریعت نازل ہوئی ہے۔ وہ صاحبِ شریعت ہے اور خلیفہ اور امام اسی شریعت کا تابع و محافظ ہے۔ فکر کے اِس اختلاف سے اُمت کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک فکر کا محور ما محمد الا رسول اور ما ینطق عن الھویٰ ہے۔ اِس گروہ کے نزدیک نبی اور رسول آغازِ حیات سے آخر تک معصوم ہوتا ہے اور دوسرا نقطۂ نظر انا بشر مثلکم میں مرقوز ہے۔ اس گروہ کے نزدیک عصمت

تبلیغِ احکام تک محدود ہے اور نبی کی دو حیثیتیں ہیں، نبوت اور بشریت۔ کچھ اقوال اور افعال نبوت کے دائرہ کار سے تعلق رکھتے ہیں اور عمر کا باقی حصہ بشریت سے عبارت ہے۔ اس فکر کے دُور رَس نتائج کو عقلِ انسانی یہ سوچے کہ تاریخی طور پر عصمت کی بنیاد جس صداقت اور امانت پر ہے، اُس قول و فعل کی سند اعلانِ نبوّت سے پہلے حاصل ہوئی ہے۔ اس سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ فکر و نظر کی ہم آہنگی سے کسی مصلح کی زندگی شروع سے آخر تک مربوط اور مسلسل ہوتی ہے اور اس کو مختلف اور محفوظ خانوں میں تقسیم کرنا محال اور ناممکن ہے۔

باری تعالیٰ کا لُطف

امامت کی گفتگو میں لُطف کا ذکر بار بار آتا ہے اس لئے اس اصطلاح کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ جن و اِنس جو اطاعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، وہ اس امر کے ذمہ دار بنائے اور ٹھہرائے گئے ہیں کہ پیدا کرنے والے کے حکم پر عمل کریں اور اُس کی نافرمانی سے بچیں۔ شرع کی اصطلاح میں اِس ذمہ داری کو تکلیف اور جو ذمہ دار بنائے گئے ہیں ان کو مکلّف کہتے ہیں اور جو شے مکلّف کو طاعت اور فرماں برداری سے نزدیک اور گناہ و نافرمانی سے دور کرتی ہے، اسے علم کلام کی اصطلاح میں لُطف کہتے ہیں۔

لُطف وہ ہے جو کہ بندے کو طاعت سے قریب اور معصیت سے بعید کر دے لیکن بندے کو فعلِ قادر پر قرار دینا لطف میں داخل نہیں ہے اور نہ بندے کو مجبور کرنا لطف کی حد میں آتا ہے۔ بندوں کو پیدا کرنے کی غرض کا حصول لطف پر

موقوف ہے۔ اگر باری تعالیٰ لطف نہ فرمائے گا تو یہ غرض حاصل نہ ہو سکے گی۔ لطف نہ فرمانے کی صورت میں باری تعالیٰ ناقصِ غرض۔ غرض کا توڑنے والا قرار پائے گا اور نقص غرض عقلا کے نزدیک قبیح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی غیر سے کسی فعل کے بجالانے کا ارادہ کرے اور اُس کو یہ معلوم ہو کہ یہ غیر اس وقت تک فعل کو نہ بجالائے گا جب تک میں فلاں سلوک اس غیر کے ساتھ نہ کروں گا پس اگر یہ شخص اس غیر کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے گا جس پر فعل کا بجالانا موقوف ہے تو یہ شخص اپنی غرض کو ناقص قرار پائے گا جو عقلاً قبیح ہے۔

وہ اسباب جو صدورِ فعل میں شرط نہیں ہیں بلکہ ان اسباب کے وجود کے ساتھ بندہ طاعت سے قریب اور معصیت سے بعید ہو جاتا ہے، اِن اسباب کا مہیا فرمانا باری تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے۔ ان اسباب کی فراہمی کا نام لطف ہے۔

لطف کا تعلق کبھی فعلِ خدا سے ہوتا ہے مثلاً نبی کو مبعوث فرمانا، امام کو نصب فرمانا۔ بعثتِ نبی یا نصبِ امام صدورِ فعل کی شرط نہیں ہے بلکہ طاعت سے قریب اور معصیت سے بعید ہونے کا سبب ہے۔ باری تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کہ نبی کو مبعوث فرمائے اور امام کو نصب فرمائے۔

لطف کا تعلق کبھی فعلِ مکلّف سے ہوتا ہے۔ مثلاً نبیؑ اور امام کی اطاعت کرنا۔ اگر مکلّف نبیؑ و امام کی اطاعت نہ کرے گا تو وجودِ نبیؑ و امام مکلّف کے حق میں لطف نہ رہے گا۔ اسی لطف میں باری تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کہ مکلّف کو نبی و امام کی شناخت بذریعہ معجزہ کرائے اور مکلّف پر نبی و امام کی اطاعت واجب قرار دے تاکہ نبی و امام کا وجود مکلّف کے لیے لطف قرار پائے۔ لطف کا تعلق کبھی خداو

باری تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کہ تبلیغ و ہدایات کو نبیؑ و امام پر واجب قرار دے۔ اس لئے کہ اگر تبلیغ و ہدایات نبیؑ و امام پر واجب نہ ہوگی تو نبیؑ و امام تبلیغ و ہدایات کو ترک کر سکے گا۔ اس صورت میں وجودِ نبیؑ و امام لطف نہ رہے گا۔

لطف کی یہ تمام اقسام باری تعالیٰ پر اس لیے واجب ہیں کہ اگر ان الطاف میں سے باری تعالیٰ کسی ایک لطف کو ترک فرمائے گا تو غرض خلقت مفقود ہو جائے گی جس کا سبب باری تعالیٰ قرار پائے گا۔ غرض خلقت کا باری تعالیٰ کے فعل کے مفقود ہونا عقلاً قبیح ہے۔

زمانۂ فترت کی تعریف

ہدایت کی ظاہری صورتیں دو ہیں، نبوّت اور امامت۔ دونوں کا مقصد مکلّف کو طاعت سے نزدیک اور گناہ سے دور کرتا ہے۔ اس لئے نبوّت اور امامت دونوں لطف ہیں۔ کبھی ایک نبی کے بعد طویل عرصہ تک کوئی دوسرا نبی نہیں آتا۔ اس زمانہ کو جو نبی سے خالی ہوتا ہے، فترت کہتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے پیغمبر اسلامؐ کی بعثت تک کا زمانہ۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ فترت کے زمانہ میں ہدایت کا کام بند اور معطّل رہتا ہے۔ وبکلِّ قوم ھاد (۱۳/ ۷) یعنی ہر قوم اور ہر زمانے کے لئے ایک ہادی ہے۔ اگر نبی نہ ہوگا تو اس کا وصی امام اور ہادی ہوگا۔ اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان کے اوصیا بنی اسرائیل کے لئے ہادی اور امام ہوتے رہے۔ بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیل کے اوصیا ملتِ ابراہیم کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ یہاں تک کہ حضرت اسماعیل

کے وصیوں کا سلسلہ حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالبؑ تک پہنچا اور پیغمبرِ اسلامؐ کے مبعوث ہو جانے کے بعد حضرت ابوطالبؑ کی وصایت کا دور ختم ہوا۔ وہ خود پیغمبر کی رسالت کے دور میں داخل ہو چکے تھے۔ ملت ابراہیم کے پابند ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے مسلمان تھے۔

اس طرح نبوت لطفِ خاص ہے اور امامت لطفِ عام ہے اور لطفِ عام یعنی امامت کا انکار لطفِ خاص یعنی نبوت کے انکار سے زیادہ برا ہے۔

امام کا مقرر کرنا بھی لُطف ہے

جاننا چاہیے کہ جس طرح کا امام بیان کیا گیا ہے وہ مقرر کیا جائے تو اپنی موجودگی سے مکلّف کو طاعت سے قریب اور برائیوں سے دُور کرے گا۔ اگر بیان کیا ہُوا احول نہ ہوگا تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ یہ بات ہر سمجھدار کے لئے تجربہ کی بنا پر ظاہر ہے اور ضروری بھی۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوا کہ امام کا مقرر کیا جانا اثر و اختیار حاصل ہونے کی صورت میں واجباتِ شرعی کے انجام پانے کے لیے لطف ہے۔

ضرورتِ نبی وامام وشرائطِ نبوّت وامامت

مَوالیدِ ثلاثہ یعنی نباتات وحیوانات وانسان میں سے نباتات وحیوانات کے کمالاتِ فطریہ ہیں۔ ان کو حدِ کمال تک پہنچانے کے لیے کسی معلم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حدِ کمال تک پہنچنے کے لیے فطرت کافی ہے۔ انسان کے کمالاتِ فطریہ نہیں ہیں۔ فطرتِ انسانیہ میں کمالاتِ انسانیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ کمالات قوت سے فعلیت کی طرف آتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش میں انسان تمام کمالاتِ انسانیہ سے خالی ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَخْرَاجَکُمْ مِنْ	باری تعالیٰ نے تم کو اس حالت میں
بُطُوْنِ اُمَّھَاتِکُمْ لَا	ماؤں کے شکموں سے نکالا کہ تم کچھ بھی
تَعْلَمُوْنَ شَیْأً •	نہ جانتے تھے۔

اگر اللہ کی جانب سے بنی نوع انسان کے لیے کوئی معلم نہ ہوگا تو انسان کمالِ انسانی تک نہیں پہنچ سکتا۔ بنی نوع انسان کو کمالِ انسانی تک پہنچانے کے لیے باری تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کہ اُن کی تعلیم کے لیے اپنی جانب سے کسی ایسے معلم کو بھیجے جو افرادِ انسانیہ کے نقائص سے بلند و بالا ہو۔ اس لئے کہ اگر اس معلم میں

بھی وہ نقائص موجود ہوں گے جو افرادِ انسانیت میں موجود ہیں تو اس معلم کو دوسرے معلم کی احتیاج ہوگی اور اگر یہ معلم بھی ایسا ہی ہوگا تو اس کو تیسرے معلم کی ضرورت ہوگی اور تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے۔ پس اس بیان سے واضح ہوگیا کہ معلم انسان ان افرادِ انسانیہ میں سے نہیں ہوسکتا جو بحالت جہالت پیدا ہوتے ہیں۔ معلمِ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کا پڑھایا ہوا اور بحالت علم پیدا ہوا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو معلم انسان نہیں قرار پا سکتا۔

انسان کمالِ انسانیت تک پہنچانے کے بعد بھی معلم کا محتاج ہے۔ کمالاتِ انسانیہ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کمالاتِ انسانیہ کی اصل و مرجع تین کمال ہیں:

(۱) صحتِ اعتقاد (۲) حُسنِ معاشرت (۳) تہذیب نفس

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی	نیکی صرف یہ ہی نہیں ہے کہ (نماز میں) تم اپنا رُخ مشرق اور مغرب کی طرف کرلیا کرو بلکہ نیکی اُس شخص کی نیکی ہے کہ جو اللہ و قیامت و ملائکہ و کتاب اور انبیا پر ایمان لایا (آیت کے اس جزو میں صحتِ اعتقاد کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے) اور مال کو اللہ کی محبت میں یا مال کو محبوب رکھتے ہوئے قرابت داروں کو یتیموں و مسکینوں و

الزَّکٰوۃَ والمُوفُونَ بعَھْدِ ھِمْ اِذَاعَا ھَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ o فِی الْبَاسِ اولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ o

مسافروں و سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صَرف کیا (اس جزو میں حُسنِ معاشرت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے) اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ کو ادا کیا اور جب بھی اللہ یا بندوں سے کوئی عہد کر لیا اس کو پورا کیا اور سختیوں و مصیبتوں اور میدانِ جنگ میں صبر سے کام لیا (اس جزو میں تہذیبِ نفس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے) یہی لوگ (صحتِ اعتقاد کے لحاظ سے) صادق اور یہی لوگ معاشرہ مع الخلق اور معاملہ مع الحق کے اعتبار سے صادق کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ

مِنْ عَمَلٍ بِھٰذِہ الایۃ فَقَدْ اَسلمل الاِیْمَانَ o

جس شخص نے اس آیت پر عمل کر لیا وہ کامل الایمان ہو گیا۔ (تفسیرِ صافی)

کمالِ انسانی اور کمالِ ایمانی کی اس حد پر پہنچنے کے بعد بھی انسان کو معلم کی ضرورت ہے اس لیے کہ انسان کی ہر وہ قوت جو مبداءِ فضیلت ہے، وہی قوت مرکزِ رذالت بھی ہے۔ اگر انسان کی قوتیں حدِ اعتدال میں ہیں تو مبداء کمالات و فضائل ہوتی ہیں اور اگر یہ قوتیں حدِ تفریط یعنی کمی میں رہ گئیں یا حدِ افراط

(زیادتی) میں پہنچ گئیں تو مرکزِ رذائل ونقائص بن جاتی ہیں۔ مثلاً قوت ناطقہ کے حدِ اعتدال سے صفتِ حکمت وقوتِ غضبیہ کے حدِ اعتدال سے صفتِ شجاعت اور قوتِ شہویہ کے حدِ اعتدال سے صفتِ عفت پیدا ہوتی ہے اور اگر یہ قوتیں حدِ افراط کو پہنچ جائیں تو مکّاری وعیّاری ودغابازی وتہور ورُسوائی جیسی صفاتِ مذمومہ کا مرکز قرار پاتی ہیں اور انہی قوتوں کی تفریط حماقت بزدلی اورگم نامی جیسی صفاتِ مذمومہ کا سبب قرار پاتی ہے۔

انساں چونکہ جاہل پیدا ہوتا ہے اس لیے اپنی قوتوں کی حدِ اعتدال کا تعین نہیں کرسکتا۔ جب حدِ اعتدال کا تعین نہ کرسکا تو اپنے فضائل ورذائل میں امتیاز نہیں کرسکتا۔ پس اللہ کی جانب سے ایک ایسے معلم کا وجود ضروری ہے جو انسانی قوتوں، حدودِ اعتدال وحدودِ افراط وتفریط سے بہ تعلیمِ خدا واقف ہو تاکہ انسانی قوتوں کو حدِ اعتدال پر باقی رکھ سکے اور انسان فضائل سے آراستہ ہوتا رہے۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں: میں انسان کے اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

عقولِ انسانیہ چونکہ اپنی قوتوں کے حدودِ اعتدال کو معلوم کرنے سے قاصر تھیں اس لئے انسان کو حکم ہے کہ عقائدِ حقہ واعمالِ صالحہ کا تعین خود نہ کرے بلکہ خدا سے یہ دعا کرتے رہے:

اِهۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ o

اے ہمارے پالنے والے ہمیں صراطِ مستقیم (عقائدِ حقہ واعمالِ صالحہ) پر باقی رکھ یا صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتا رہ۔

چونکہ عقائد حقہ و اعمالِ صالحہ کی کوئی حد معین نہیں ہے ہر شخص ان میں ترقی کی دُعا کر سکتا ہے۔ عقائدِ حقہ و اعمالِ صالحہ عقولِ انسانیہ کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے قدرت نے آیت کو آگے بڑھایا اور فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ

اُن کا راستا کہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں۔

یعنی اے انسان صراطِ مستقیم کو خود معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ صراطِ مستقیم کو ہمارے ان بندوں سے معلوم کرنا جن پر ہماری مخصوص نعمتیں ہیں۔ اگر صراط مستقیم کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات ہوتی تو صراط الذین انعمت علیهم، فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ سورہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر ختم ہو جاتا۔ پس بنی نوع انسان جس شخص کی طرف تحصیلِ کمالِ نوعِ انسانی و بقا بر کمالِ نوعِ انسانی میں محتاج ہیں اسی شخص کو ہم نبی یا امام کہتے ہیں۔

نبوّت و امامت کمالاتِ اکتسابی کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی

نبوّت و امامت مِن جانب اللہ ہوتی ہے۔ ان کی غرض و غایت معلوم کرنے کے لیے ہمیں قرآن مجید کو دیکھنا ہوگا۔ غرض و غایت معلوم ہو جانے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ نبوّت و امامت کا مستحق کون ہے۔

قرآنِ مجید سورۃ النساء رکوع ۹ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ • — ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا لیکن اس لیے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے۔

رسول مطاع ہونے میں اللہ کا اذن یافتہ ہے۔

آیت مذکورہ میں باری تعالیٰ نے بعثتِ رسول کی غرض صرف یہ قرار دیتی ہے کہ رسول کی اطاعت کی جائے۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ جو غرض بعثتِ رسول کی ہے وہی غرض نصبِ امام کی ہے۔ اس لیے کہ امام نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں (۱) اطاعتِ غیر واقعیہ (۲) اطاعتِ واقعیہ

اطاعت غیر واقعیہ وہ اطاعت ہے جو کسی دباؤ یا لالچ کی وجہ سے ہو۔ اطاعت واقعیہ وہ اطاعت ہے کہ جو کسی دباؤ یا لالچ کی وجہ سے نہ ہو۔ ان دونوں اطاعتوں میں فرق یہ ہے کہ اطاعت غیر واقعیہ میں جسم جھک جاتا ہے لیکن نفس نہیں جھکتا اور اطاعت واقعیہ میں نفس جھکتا ہے۔ ناقص کامل کی اطاعتِ واقعیہ کرتا ہے۔ آئمہ کی اطاعت غیر واقعیہ نہیں ہوسکتی اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْ مِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۝

دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کفر اختیار کرے۔

انبیا و آئمہ علیہم السلام کی اطاعت اطاعتِ واقعیہ ہوتی ہے۔ اس لیے نبی و امام کو تمام کمالات میں اُمت سے افضل ہونا چاہیے۔ اگر افضل نہ ہوگا تو نبی نبی نہ رہے گا اور امام امام نہ رہے گا۔ اس لیے کہ اگر امت میں کوئی شخص کسی کمال یا صفت میں نبی یا امام سے زائد یا مساوی ہوگا تو اطاعت ختم ہو جائے گی۔ جب اطاعت ختم ہوئی تو [illegible]

اطاعت ہی تھی۔

اگر نبی کو نبوت اور امام کو امامت کمالات اکتسابیہ کی وجہ سے مل سکتی ہے تو اس پر کیا دلیل ہے کہ جن کمالات کی وجہ سے نبی کو نبوت اور امام کو امامت ملی ہے، ان کمالات کو امت میں سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طریقہ سے نبی یا امام نے یہ کمالات حاصل کیے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اُمت میں سے بھی کوئی شخص ان کمالات کو حاصل کرے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ امتی ان کمالات مین نبی یا امام سے بڑھ جائے۔ اس صورت میں اطاعت ختم ہو جاتی ہے اور نبی نبی نہیں رہتا اور امام امام نہیں رہتا۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن کمالات کی وجہ سے نبی کو نبوت اور امام کو امامت عنایت ہوتی ہے۔ وہ کمالاتِ وہبیہ ہوتے ہیں، اکتسابیہ نہیں ہوتے۔ افراد امت کے کمالات اکتسابیہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے کوئی امتی کمالات و فضائل میں نبی یا امام کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ اسی مقام سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ نوع انسانی کے وہ افراد جن کے کمالاتِ اکتسابیہ ہیں، ان میں سے نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے اور نہ امام۔

عقلی دلیل سے امامت وسرداری

امامت اور سرداری کی جگہ کوئی دوسرا ادارہ نہیں لے سکتا نہ کوئی دوسرا ادارہ امامت کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہے۔ جس کی کچھ وجوہات یہ ہیں:

۱- ہر خطے اور ہر زمانہ میں رئیس اور سردار کے قائم کرنے پر سمجھ دار لوگوں کا

اتفاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

۲- خواہش، غضب اور وہم کی قوتیں اکثر لوگوں پر ایسا غلبہ حاصل کیے ہوئے ہیں کہ خواہش یا غضب کی انتہائی قوت حاصل کرنے میں اس کی وجہ سے نوع انسانی کے نظم و انتظام میں جو خلل واقع ہوتا ہے اس کو جاہل طبقہ بُرا نہیں سمجھتا۔ اس لئے ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش باہمی جھگڑا اور پورے طور پر فساد رونما ہوتا ہے۔ تب اس کی روک تھام کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ایسا لطف ہے جس پر واجبات کو انجام دینا اور محرمات سے بچنا موقوف ہے۔ اس روک ٹوک کرنے والے کی دو صورتیں ہیں، داخلی یا خارجی۔ پہلی صورت عقل کی قوت ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خدا اس کام کو کسی بشر کے ذریعہ انجام دے۔ اس کا ایک جزو یعنی حدود کا اجرا اور نفاذ اس بشر سے متعلق ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ بشر غلطیوں سے محفوظ اور واجب الاطاعت ہو یعنی اس کی اطاعت لازم ہوتا کہ یہ کام اس کے ذریعہ انجام پا سکے۔ اس طرح اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

۳- تمام مسائل میں کتاب اور سنت سے شرعی احکام حاصل کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کے لیے نفسِ قدسی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے منسوب ہونے کی وجہ سے حاصل کیے ہوئے علوم فطری اور غلطی سے پاک ہوں۔ مسئلے لامتناہی اور نہ ختم ہونے والے اور کتاب و سنت میں بیان کردہ مسائل محدود۔ اس کی واضح مثال ایک مسلمان عالم کا بیان ہے۔ ماضی قریب میں جب چاند پر کمند ڈالنے کی تگ و دو ہو رہی تھی ان

سے پوچھا گیا کہ چاند پر کس طرف مُنہ کر کے نماز پڑھیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ جب ہم چاند پر ہوں گے تو طے کریں گے۔ اس لئے نفسِ قدسی کی ضرورت ہے جو احکام کی معرفت رکھتا ہو اور شریعت کا محافظ ہوتا کہ جان بوجھ کر یا بھول چوک سے کوئی حکم چھوڑ نہ دے نہ زیادتی یا تبدیلی کرے۔ ظاہر ہے کہ معصوم امام کی جگہ کوئی غیر معصوم اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکتا۔ نفس قدسی تمام لوگوں کے لئے نہیں ہے صرف بعض کے لئے ہے اور وہ امام ہے۔

۴- اجتماعی امور یعنی مل کے کرنے والے کاموں میں جن میں شارع کی عائد کی ہوئی ذمہ داری کا مقصد ہی اجتماع ہے مثلاً جنگ اور جماعتیں۔ یہ بہت بعید بلکہ محال ہے کہ کثیر لوگوں کی رائیں ایک بات اور ایک مصلحت پر جمع ہو جائیں اور یہ کہ وہ سب اس مصلحت کو سمجھیں اور اس سے متفق ہوں اور یہ ہر موقع پر جنگ کے وقت اور سمت اور مدت اور مصلحت کے بارے میں ان کا خیال یکساں ہو اس لیے کہ اتفاق ایک اتفاقی امر ہے جس کو دوام یا عمومیت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ایسے موقع پر رئیس یا سردار کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا نہ کوئی دوسرا قیام کرسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔

۵- جس معاملہ میں اجتماع اور اکٹھے ہونے کی ضرورت ہے، اس میں لوگوں کو قریب لانے کے لیے سردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جو مسئلہ درپیش ہوتا ہے لوگ اس میں متفق نہیں ہوتے اور اختلاف کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ جو غرض یعنی لوگوں کے جمع ہونے کے خلاف

کام کرتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ سردار خدا کی بیان کی ہوئی کسی نشانی سے پہچانا جائے اور جملہ عیوب سے پاک ہو اور معصوم ہو تاکہ طبیعتیں اس سے متنفر نہ ہوں۔

۶۔ نوعِ انسانی کے نظام کو خلل سے محفوظ رکھنے کے لیے سردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر کام کرنا اس کی سرشت اور فطرت میں داخل ہے۔ خوراک، پوشاک، رہائش اور دوسری ضرورتیں جو اس سے مخصوص ہیں یا جن میں دوسرے اس کے ساتھ شریک ہیں۔ زندگی کے ان تمام امور کو تنہا فراہم کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ مل کر کام کرنے سے تمام کارکن اپنی اپنی محنت کے عوض میں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں۔ مل کر کام کرنے والے بعض کاموں سے بچنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایک بالادست کی ضرورت ہے جس کی نظر میں تخصیص یعنی کسی کام کو انجام دینے کی خصوصی صلاحیت اہمیت رکھتی ہو ورنہ بلاوجہ ترجیح دینے سے باہمی نزاع اور جھگڑا پیدا ہوگا۔ اس موضوع پر گفتگو کے سلسلے میں ترجیح بلا مرجح کی علمی اصطلاح بار بار استعمال ہوتی ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہے کہ ترجیح دینے اور مقدم کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ اس کے باوجود کسی کو مقدم کر دینا اور ترجیح دینا۔

۷۔ انسان کی طبیعت میں خواہش، غضب، حسد اور نزاع موجود ہے اور لوگوں کا اکٹھا ہونا اس کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس طرح نظم و ضبط میں خلل واقع ہوتا ہے جس کی روک تھام کے لئے ایک رئیس اور ایک

سردار کی ضرورت ہے جو ظالم کو مجبور کرے اور مظلوم کی مدد کرے۔ زبردستی اور ظلم کو روکے۔ جنبہ داری اور جانب داری اس میں نہ ہو۔ لوگ اُس کی فوری سزا سے ڈرتے ہوں اس لئے کہ اکثر لوگ آخرت کی سزا کے مقابلہ میں دنیا کی سزا کے خوف سے زیادہ اطاعت شعار ہوتے ہیں اور سردار کا خوف ظالم کی خواہش، غضب اور حسد کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایسے موقع پر رئیس کی جگہ کوئی دوسرا قیام نہیں کر سکتا۔

۸- حدود اور اس کا نفاذ واجر الطف ہے۔ شارع نے ان کا حکم دیا ہے اس لئے حدوں کو قائم کرنے والا بھی ضروری ہے۔ غیر رئیس کا اس کو انجام دینا ترجیح بلا مرجح ہے اور رئیس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

۹- نوعِ انسانی کے نظام اور بندوبست کے لئے مختلف منصبوں پر لوگوں کا تقرر لازمی ہے۔ مثلاً (۱) قاضی، تاکہ خون، اموال اور عورتوں کے معاملوں میں اس کے حکم کے مطابق عمل ہو۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنے والے جو فقرا کے مالوں کے امانت دار ہوتے ہیں۔ (۳) لشکروں کے سالار جن کی اطاعت جنگ کرنے، جان دینے اور قتل کرنے میں واجب ہوتی ہے (۴) والیان وحکام۔ ضروری ہے کہ یہ سب ایک نظر سے پرکھے جائیں تاکہ ترجیح بلا مرجح نہ ہوا۔ رائے کا اختلاف خواہشوں کا زور اور باہم مخالف ہونا، سب کی الگ الگ پسند یہ حقیقتیں ہیں۔ ان حالات میں کسی منصب کے لیے لوگوں کو اپنوں میں سے کسی ایک شخص پر اتفاق کر لینا بہت مشکل اور دُشوار ہے اور کسی زمانہ میں بھی ان شرائط کے ساتھ جن کی بنا پر ایک شخص مستحق قرار پاتا ہے فردِ واحد پر

اتفاق غیر متوقع اور اتفاقی امر ہے۔ جس کو دوام اور عمومیت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ واحد شخص جس کی تنہا نظر پر ان عہدیداروں کا تقرر منحصر ہے۔ لازم ہے کہ خدا کی طرف سے واجب الاطاعت ہو اور ایسے امور میں جن سے نظام کی درستی اور خلل وابستہ ہو غیر معصوم کی اِطاعت واجب کرنا خدائے حکیم وقدیر سے محال ہے۔ معلوم ہوا کہ رئیس و سردار کو معصوم ہونا چاہیے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

۱۰- امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں کی ممانعت لطف ہے جس کی جگہ کوئی دوسری چیز تجویز نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ یہ ایسا واجب ہے جس کا کوئی بدل تجویز نہیں کیا گیا۔ پس امر لطف ہی نہیں لطف واجب بھی ہے جس کی جگہ کوئی دوسری چیز نہیں لے سکتی۔ لازم ہے کہ امر نہی معصوم کی طرف سے ہو جس سے خطا اور سہو یعنی بھول چوک جائز نہیں ورنہ اس میں بُری باتوں کا حکم کرنے اور اچھی باتوں سے روکنے کا امکان موجود ہوگا اور اس کے قول پر بھروسہ اور اعتماد جاتا رہے گا۔ اس طرح اس کے ساتھ جو ذمہ داری وابستہ ہے اس کا فائدہ ختم ہو جائے گا۔

۱۱- امر و نہی ایسے رئیس اور سردار کا نافذ ہو جو سب کو امر و نہی کر سکتا ہو۔ ورنہ ہر شخص کسی دوسرے کے امر و نہی کو قبول کرے گا۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ لوگ ایسے آدمی کو پسند کرتے ہیں جو دوسروں کو زحمت نہیں دیتا اور لوگ اس کو زحمت نہیں دیتے۔ اس طرح نہ وہ ان لوگوں کو روکتا ہے اور نہ یہ لوگ اس کو ٹوکتے ہیں اور اس طرح امر و نہی کا عمل ختم ہو جاتا

ہے۔ معلوم ہوا کہ رئیس و سردار کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا اور لازم ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہو اور اس کی اطاعت بالعموم واجب ہو۔ اس لئے اس کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے۔

۱۲- رئیس کو احکام کے یقینی علم کی ضرورت ہے۔ اجتہاد کے ظنی علم کی نہیں تا کہ جسے یقینی علم اور درست بات کی طلب ہو وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

نوع انسانی کی حفاظت

نوع انسانی کا نظام پانچ چیزوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اس کے بغیر درست نہیں رہ سکتا اور وہ جان و عقل و دین و نسب و مال ہیں۔

حفاظت جان کے لئے قصاص کا حکم ہے۔ بقولہ ولکم فی القصاص حیٰوۃ (۲/۱۷۹)

۱- یعنی جان کا بدلہ لینے میں زندگی کی ضمانت موجود ہے۔

۲- عقل کی حفاظت کے لئے نشہ کا حرام ہونا اور اس کی حد یعنی سزا معین کرنا۔

۳- دین کی حفاظت کے لئے مرتد کا قتل اور جہاد۔

۴- نسب کی حفاظت کے لئے زنا کا حرام ہونا اور اس کی حد یعنی سزا مقرر کرنا۔

۵- مال کی حفاظت کے لیے چور کے ہاتھ کاٹنے اور امانت کی واپسی کی ذمہ داری ان امور کے احکام ہر شریعت اور ہر زمانے میں ضروری قرار دیئے گئے اور اس کا انتظام کرنے والے کے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔ یہ منتظم ایسا ہو جو ہر حکم کے

واجب ہونے کی صورت واجب کی مقداراس کے محل اور شرائط کی اچھی معرفت رکھتا ہو۔ان فرائض کے انجام دینے میں کوئی دوسرااس کی جگہ نہیں لے سکتااور لازم ہے کہ نص الٰہی اور معجزہ کے ذریعے وہ دوسروں سے ممتاز ہو۔اس لئے کہ معقول وجہ ترجیح کے بغیر ترجیح دینا نامناسب اور ناجائز ہے۔نص و معجزہ کے ذریعے ممتاز ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ مختلف خواہشوں کے سبب تمام آراء کا اس کے خلاف متفق ہو جانے کا امکان موجود ہے۔

امیر یا رئیس کی جگہ کسی دوسرے کے ہونے کا خیال ہی اس وقت آتا ہے جب امیر یا رئیس کا وجود لازم قرار پا چکا ہے جس کے پاس یقینی علم ہو ظنی اور اجتہادی نہیں۔اس لئے اس کا بدل محال ہے اور اس لئے بھی کہ امام نہ ہو یا اس کو اقتدار حاصل نہ ہو تو طاعت سے قریب کرنا اور نافرمانی سے دور رکھنا جیسا چاہے ویسا ممکن نہیں۔

امام اور خلیفۂ رسول بنانے کا اختیار امت کو نہیں

یہ کام اصالتاً خدا کا اور نیابتاً نبی سے متعلق ہے جس کی کچھ وجہیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) امامت جلیل و عظیم منصب اور دین کے مسائل میں بڑا ضروری اور اہم مسئلہ ہے۔اگر امام اور خلیفۂ رسول کا بنانا ہمارے اختیار میں ہوتا تو دوسرے مسائل جو اس قدر اہم و ضروری نہیں ہیں۔وہ بھی ہمارے اختیار میں ہوتے

حالانکہ کسی آسان اور معمولی مسئلہ میں بھی خدا نے ہم کو کوئی اختیار نہیں دیا۔

(۲) رسول کی اطاعت کی طرح امام اور خلیفہ رسول کی اطاعت بھی خدا نے مقرر کی ہے اور احکام دین میں یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔ دوسرے احکام جس قدر ہیں عظمت میں سب اس سے کم ہیں اس لئے امام اور خلیفہ رسول کا مقرر کرنا اگر اُمت کی رائے اور اختیار سے جائز ہوتا تو جمیع احکام دین میں امت کی رائے سے حکم جاری کرنا جائز ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین کا جو حکم بھی دینا ہو اس کو اجماع کر کے اپنی رائے سے جاری کر دے یعنی جن احکام کے جاری کرنے کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے، وہ سب امت کی رائے سے جاری ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء کا آنا بے کار ہے۔ امت خود مختار اور آزاد ہے۔ اجماع اور اتفاق سے جو حکم کرے وہی خدا کا حکم ہے مگر دینی احکام میں اُمت کسی کی مجاز نہیں ہے۔ بنیادی مفروضہ یعنی اُمت کی رائے اور اختیار سے خلیفہ کا تقرر درست نہیں۔

(۳) امام خدا اور رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اگر امام بنانا امت کے اختیار میں ہو تو وہ خدا اور رسول کا خلیفہ نہ ہو گا۔ اس لئے کہ خدا اور رسول نے تو اس کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور اُمت کا خلیفہ بھی یہ شخص نہیں ہے اس لئے کہ ساری امت اس کو خلیفہ رسول اور خلیفہ خدا کہتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امت کا اختیار قابل توجہ نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ جب ہم خدا رسول کی خلافت کے لیے کسی کو منتخب کریں تو ہمارے بنانے سے وہ خدا اور رسول کا خلیفہ ہو جائے گا۔ یہ بات عقلاً تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ رہی نقل تو قرآن وحدیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں ہے۔

اس بات سے نبی مقرر کرنے اور اپنے اختیار سے احکام جاری کرنے کا

جواز بھی پیدا ہو جائے گا یعنی ہمارے بنانے سے وہ خدا کا نبی ہو جائے اور ہمارے کرنے سے وہ خدا کا حکم ہو جائے۔ اگر ذرا ہمت کیجئے تو اس اصول کے مطابق آپ چاہیں اور بنائیں تو آپ کا بنایا ہوا خدا بھی ہو سکتا ہے۔ سُبحَانَ اللہ جب خدا اور رسول و کتاب سب کا بنانا آپ کی منشاء کے مطابق اور آپ کے اختیار میں ہوا تو امام تو بعد کی بات ہے چونکہ خدا اور رسول و کتاب کسی کا بنانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ امام کا بنانا بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے اس لئے کہ ہدایت کی صفت خدا اور رسول اور کتاب و امام سب میں مشترک اور سب کا وصف لازم ہے اور ہم نہ ہادی بنا سکتے ہیں نہ مقرر کر سکتے ہیں۔

(۴) قولہ تعالیٰ۔ وما کان لِمُؤمِنٍ وَّلا مُؤمِنَةٍ اِذَا قضی اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَمرًا اَنْ یَکُونَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ (۳۳/۳۶) کسی مومن مرد یا عورت کو اپنے (دینی یا دنیوی) معاملے میں اس وقت اختیار نہیں ہے جب خدا یا رسول اس مسئلہ میں حکم جاری کر دے چونکہ خلیفہ دینی اور دنیوی فائدے ہی کے لیے مقرر ہوتا ہے اس لئے تجویز خلیفہ کا مسئلہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

اب اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں؛

(الف) خدا اور رسول نے امامت کے خیال کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں کیا اختیار باقی رہا خدا نے تو ہمیں منع کر دیا ہے مگر ہم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کمیٹی اور اجماع کر کے خلیفہ بناتے ہیں۔

(ب) خدا جس طرح اور مسائل میں احکام جاری کرتا ہے امام اور خلیفہ بھی اس نے مقرر کیا اور ہم کو اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ خدا اور رسول نے خلیفۂ رسول ضرور مقرر کر دیا ہے۔

(۵) امام اور خلیفۂ رسول بنانے کا اختیار اگر اُمت کو ہے تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) تمام دنیا میں جتنے اُمتی ہیں جب کسی کی امامت پر سب کا اتفاق ہو جائے تو وہ امام ہو سکتا ہے۔ یہ محال ہے کبھی واقع بھی نہیں ہوا نہ یہ کسی کا مذہب ہے۔

(ب) ایک جماعت معین و محدود کا اتفاق ہو۔ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ امام اور خلیفۂ رسول کے تقرر میں مثلاً پچاس یا سو یا ہزار کا اجماع درکار ہے نہ یہ کسی کا مذہب ہے۔

(ج) کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے کہ اس پورے ہو جانے سے اجماع درست سمجھا جائے یہ کوئی اُصول نہ ہوا اور کسی اُصول کا نہ ہونا سب سے زیادہ لغو ہے۔

چوں کہ کوئی صورت درست نہیں ہے اس لئے امام اور خلیفۂ رسول بنانے میں اُمت کا اختیار درست نہیں ہے۔

(۶) اگر امام اور خلیفۂ رسول کا مقرر کرنا اُمت کے اختیار میں ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) خلیفہ بنانے میں کوئی معیار شرط نہ ہو بلکہ اُمت کو اختیار ہو کہ جس کو چاہے امام بنا لے اگرچہ اس سے حق اور عدل و انصاف کے خلاف امور صادر ہونے کا بھی امکان ہو۔ اس صورت میں خلیفہ بنانے کا ضرر خلیفہ نہ ہونے کے ضرر سے زیادہ ہوگا اور خلیفہ کے تقرر کی جو غرض ہے وہ فوت ہو جائے گی

(ب) خلیفہ بنانے میں یہ شرط ملحوظ ہو کہ امام اور خلیفہ اس کو بنایا جائے جس سے ظلم و تعدی یعنی خلاف حق کسی امر کا صادر ہونا محال ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمت اسی کو امام اور خلیفۂ رسول بنا سکتی ہے جو معصوم ہو لیکن عصمت ایک باطنی صفت ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس شرط کا لحاظ اُمت کی دسترس سے باہر ہے اور اس کے لئے اس شرط کا ملحوظ رکھنا تکلیف مالایطاق ہے۔ اس لئے امام کا تعلق تقرر خدا ہی کر سکتا ہے۔

(۷) قولہ تعالیٰ۔ يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا لَا تُـقَـدِّمُـوْا بَيْـنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۱/۴۹) اے گروہ مومنین خدا اور رسول کے سامنے تم اپنی تجویز اور رائے کو مقدم نہ کرو اگر امام مقرر کرنے کا اختیار اُمت کو ہے تو اس سے خدا و رسول کے سامنے پیش دستی لازم آتی ہے جو حرام ہے۔

(۸) امام اور رئیس اُمت کا مقرر کرنا اشد ضروری اور مقرر نہ کرنے یا اس کا اختیار امت کو دینے میں فتنہ و فساد اور باہمی نزاع کا ہونا لازم۔ بندوں پر جتنی شفقت اور مہربانی خدا کو اور اُمت کے ساتھ جتنی دردمندی اور انصاف پسندی رسول کو ہے اس کا پاسنگ بھی کسی بشر کو نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ امام کا تقرر خدا و رسول کی طرف سے ہو اور دینی و دنیوی امور میں خلیفہ پر ہمارا پورا اطمینان بھی اسی وقت ہوگا۔

(۹) خدا و رسول نے شریعت کے اہم اور معمولی دونوں طرح کے احکام بیان کئے اور چھوٹے چھوٹے دینی مسائل کی ہدایت اور ان کا نفاذ کا اہتمام بھی کیا تو ہمارے مزاج اور طبیعت خواہشوں اور رایوں غرض تمام باہمی اختلافات کے باوجود اتنے بڑے اور اہم مسئلہ کو ہماری ناقص عقلوں کے حوالہ کر دینا ہرگز کسی کی

عقل خدا اور رسول کو ایسا الزام نہیں دے سکتی۔

(۱۰) امام اور خلیفہ رسول کے مقرر کرنے کی غرض یہ ہے کہ ہم احکام الٰہی کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں خطاء سے محفوظ رہیں۔ لہٰذا امام کے لئے قرآن و حدیث کا ایسا عالم ہونا لازم ہے جو کسی حکم کو بتلانے میں غلطی نہ کرے ایسے شخص کا پہچاننا انسان کے اختیار سے باہر ہے اور بالفرض کسی کو ایسا بے خطا تجویز کیا جائے تو اس پر یقین اور اطمینان نہیں ہوسکتا۔ قرآن وحدیث کے ایسے عالم کو یا خدا جانتا ہے یا اس کی تعلیم سے اس کا رسول۔ اس لئے جب تک خدا یا نبی امام کو مقرر نہ کرے اور وہ منصوص مِنَ اللهِ نہ ہو یہ غرض کبھی پوری نہ ہوگی اسی لئے نبی اور خلیفہ نبی کے مقرر کرنے میں عادتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ خدا خود یا نبی کے توسط سے امام مقرر کرتا ہے اور انسان کو کبھی اس کا اختیار نہیں دیا۔

(۱۱) امام یا خلیفہ رسول کا معصوم ہونا واجب ہے جس کی دلیلیں آگے چل کر لکھی جائیں گی۔ عصمت ایک باطنی صفت اور پوشیدہ کیفیت ہے جس کو صرف خدا جانتا ہے یا اس کی تعلیم سے رسول واقف ہوتا ہے۔ خدا اور رسول کے سوا معصوم کی شناخت اور کسی کو نہیں ہے۔ اس لئے صرف خدا یا رسول امام کو معین کرسکتا ہے۔

(۱۲) واجب ہے کہ امام دین میں اور علم اور پرہیز گاری میں اپنے زمانے کے سب لوگوں سے افضل اور امور سیاست میں فرد یگانہ ہو۔ اگر ہم نے اپنے اختیار سے کسی کو امام بنایا ہم کو ضرور اندیشہ رہے گا کہ ایسا نہ ہو کہ باطن میں یہ کافر یا فاسق ہو۔ اس کا علمی پایہ بھی ہم سے مخفی ہوگا۔ نیز ان کمالات میں اس امام اور کسی دوسرے شخص کے درمیان قیاس کرنا اور افضل اور مفضول کو پہچاننا بھی ہم سے مخفی ہوگا۔ جب شرط افضلیت کی شناخت ہم سے پوری طرح نہیں ہوسکتی تو یہ کام ہم

سے کس طرح انجام پائے گا اور اُمت کے اختیار سے امام بنانا کیسے جائز ہو گا؟

(۱۳) امام اور خلیفہ رسول کے اعلم اور افضل ہونے کے علاوہ کم سے کم اس کا مومن ہونا تو یقیناً لازمی اور ضروری ہے اور اس کا اطمینان کہ یہ منافق نہیں ہے کوئی شخص کسی کی نسبت اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا اگر کسی کی نسبت حُسنِ ظن کی بنا پر مومن ہونے کا گمان غالب ہو بھی تو اس کا یقین کہ وہ آخر عمر تک مومن رہے گا نہیں ہو سکتا۔ اس کا یقین یا تو عالم الغیب کو ہے یا اس کی تعلیم سے نبی کو جب ہم کو کسی کے مومن ہونے کا یقین نہیں نہ اس کا یقین کہ اس کا خاتمہ بخیر ہو گا تو اس کو سردار بنانے کا ہمیں کیا حق ہے۔

(۱۴) جو لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ رسول بنانے کا اختیار اُمت کو ہے ان کے نزدیک خلیفہ بنانے کے لئے کچھ ایسے لائق و فائق افراد کی ضرورت ہے جو خلافت کے اہل اور نا اہل کو پہچان کر جس میں سب کے نزدیک اس عہدہ کی اہلیت ہو اس کو خلیفہ بنائیں۔ ان خلیفہ بنانے والوں کو اہل حل وعقد کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے دانائے امور خلافت اور ذی علم افراد اگر خلیفہ سے افضل نہ ہوں گے تو علم اور معرفت میں خلیفہ کے برابر ضرور ہوں گے مگر اس فرقہ کے نزدیک بھی اہل حل وعقد کو اُمت کے امور میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے تو جو امور اہل حل وعقد کے اختیار میں نہ ہوں ان کو دوسرے کے سپرد کرنا اور اس کے اختیار میں دینا کیسے درست ہو گا۔ اس لئے کہ کوئی آدمی اپنے دائرہ اختیار سے باہر عمل نہیں کر سکتا۔

(۱۵) اگر سب کو یا بعض اشخاص کو امام بنانے کا اختیار ہو تو لازم ہے کہ پوری جماعت یا وہ بعض اشخاص امام سے زیادہ علم رکھتے ہوں تا کہ امتحان کے ذریعے

امام کا علمی مرتبہ اور دوسروں پر اس کی فضیلت اور فوقیت معلوم کر سکیں اور جب یہ لوگ علم و فضل میں امام سے زیادہ ہوں گے تو امام سے زیادہ انھیں کو امام ہونے کا حق ہوگا۔ اس لئے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول امام نہیں ہو سکتا۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو امام نہیں بنا سکتا۔ اب یہ لوگ نہ خود امام بن سکتے ہیں نہ مفضول کو امام بنا سکتے ہیں۔ اس لئے امام بنانے کا اختیار باطل ہو گیا۔

(۱۶) منصبِ خلافت یا کسی منصب پر کسی شخص کے مقرر کرنے سے پہلے اس امر کا اطمینان ضروری ہے کہ یہ اس منصب کے قابل ہے یعنی منصب سے متعلق جو ذمہ داریاں اور فرائض ہیں ان کو پورا کرنے اور انجام دینے کے لیے جو امور ضروری ہیں سب اس میں موجود ہیں اور زندگی بھر موجود رہیں گے مثلاً اسلام و عدالت و شجاعت و عفت اور دوسری نفسیاتی کیفیات چوں کہ ان باطنی کیفیات کا جاننا اور ان کے بقاء کا علم بشر کے امکان سے باہر ہے۔ اس لئے اگر خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت کے اختیار میں ہو تو تکلیف مالا یطاق ہے اور خدا کسی کو امکان اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ امامت اور خلافت کی اہلیت کی شناخت کا یقینی ذریعہ یہی ہے کہ خدا یا رسول کسی کے امام ہونے پر نص کر دے اور جب امام وہی ٹھہرا جو خدا یا رسول کی طرف سے منصوص ہو تو امام اور خلیفہ کے تقرر میں امت کا اختیار نہ رہا۔

(۱۷) جس شخص کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کر سکتے ہیں اس کو برطرف بھی کر سکتے ہیں یعنی ہم کو عزل و نصب کا اختیار یکساں ہے۔ امام ایسا شخص نہیں ہے کہ منصوب ہونے کے بعد معزول ہو سکے اس لیے جسے ہم معزول نہیں کر سکتے اسے مقرر بھی نہیں کر سکتے۔

(۱۸) اگر کسی جماعت یا کمیٹی کو امام اور خلیفہ رسول بنانے کا اختیار ہو تو وہ امام اور خلیفہ اس جماعت پر بھی حاکم ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ہی حاکم ہو اور خود ہی محکوم اور خلیفہ جماعت کا محکوم بھی ہو اور حاکم بھی یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

(۱۹) امام کی ولایت یعنی حکومت سب حکومتوں سے بڑھ کر ہے۔ جب اُمت میں کسی کے لئے یہ ولایت وحکومت اختیار کرنا درست نہیں ہے یعنی کوئی شخص اپنے آپ کو امام نہیں بنا سکتا تو دوسرے کو امام بنانا اس کے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے؟

اعتراض:

اگر کہا جائے کہ امام کی حکومت کا ثابت کرنے والا ہمارے نزدیک بھی خدا ہے یعنی تجویز وتقرر تو ہمارے اختیار میں ہے اور اس کا حاکم ماننا خدا کے حکم سے ہے جیسے امام کسی کو حکم کرے کہ تم فلاں شخص کو امیر اور حاکم مقرر کرو اور وہ اسی کے حکم کے مطابق امیر اور حاکم مقرر کرے تو اس کا حاکم ہونا بھی امام ہی کی طرف سے متصور اور اسی کی طرف منسوب ہوگا۔

جواب:

۱- اگر تقرر ہمارے اختیار میں ہے تو تقرر کے بعد اس کے حاکم ماننے کا تعلق خدا کے حکم سے غیر ضروری اور بے معنی ہے اس لئے کہ تقرر حاکم ماننے ہی کے لئے ہوگا۔ حاکم ماننے کا ارادہ نہ ہو تو تقرر ہی کیوں ہوگا۔

۲- اگر یہ تسلیم ہے کہ ولایت اور حکومت من جانب اللہ ہے تو نزاع کیا

باقی رہا؟

۳- آپ اس کے تو قائل نہیں ہیں بلکہ نصب امام کو ہمارے اختیار سے تجویز کرتے ہیں اور ہم پر واجب قرار دیتے ہیں جب نسب امام ہم پر واجب ہوا اور ہم نے جسے چاہا مقرر کیا اور جسے چاہا معزول کر دیا تو اب اس کی حکومت ہماری طرف کیوں منسوب نہ ہو اور خدا کی طرف منسوب ہو جائے؟

۴- جیسے امام نے کسی شخص کو حکم دیا کہ زید کو امیر بناؤ اسی طرح اگر آپ ثابت کر دیں کہ خدا نے امت کو امام بنانے کا حکم دیا البتہ یہ اعتراض صحیح ہے اور نظیر بھی کافی ہو جائے گی ورنہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔

(۲۰) وصیت کرنا خدا نے ہر شخص پر واجب کیا ہے اور رسول اللہؐ نے بھی وصیت کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا ہے کہ مَنْ مَاتَ بغیر وصیة میتة جاھلیة ۔ جو شخص وصیت کئے بغیر مر جائے وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرا۔ وصیت کرنا جملہ دینی امور میں جن کا تعلق وصیت کرنے والے سے اس کے مرنے کے بعد ہوتا ہے واجب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بڑی ذمہ داری زندگی میں اور وفات کے بعد جب تک ان کا دین قائم رہے اور کوئی دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اُمت کی ہدایت اور اس کا انتظام ہے اسی لئے انبیاء علیہم السلام خدا کے حکم سے مسلسل اور لگاتار اپنا وصی اور نائب مقرر کرتے آئے ہیں تا کہ وہ دین کی حفاظت اور اس کے مطابق اُمت کی ہدایت کرتے رہیں ہمارے پیغمبر پر چوں کہ نبوت ختم ہو چکی تھی اس لئے قیامت تک اُمت کی تعلیم اور اس کو راہِ

کا تقرر اور اس کی نسبت وصیت کرنی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جملہ امور سے زیادہ واجب تھی۔ اب کون مسلمان اور صاحبِ عقل ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ایسے واجب کا ترک ہونا تسلیم کر سکتا ہے جس کا وجوب قرآن و احادیث متواترہ اور عقلِ سلیم سے ظاہر ہے۔ کیا اس صورت میں نعوذ باللہ قرآن کی یہ آیت اُبھر کر سامنے نہیں آئے گی۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (۲/۴۴)

یعنی اُمت پر وصیت واجب قرار دیتے ہو اور خود اس واجب کی بجا آوری اور ایسی ضروری وصیت کو بھول جاتے ہو کفار اور ہمارے نبی کی نبوت کے منکر جو ہمیشہ بے جا الزامات لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اگر اس وصیت کا ترک کرنا ان پر ثابت ہو جاتا تو اس سے بڑھ کر کوئی الزام ایسا نہ تھا جو ہمارے نبی پر لگاتے جو لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اپنے خلیفہ کی نسبت کوئی وصیت نہیں فرمائی وہ کفار منکرین کے سامنے پیغمبر کو ترکِ وصیت کے الزام کا مستوجب قرار دیتے ہیں۔ جب خلیفہ کی نسبت وصیت کرنا ہمارے نبی پر واجب ثابت ہوا اور کوئی عذر شرعی اس واجب کے ترک فرمانے کے لیے نہ تھا تو ضرور اور یقیناً آپ نے اپنے خلیفہ کی نسبت وصیت فرمائی اور یہ قول کہ حضورؐ وصیت نہیں فرمائی محض غلط ہے۔ جب نبی کی وصیت ثابت ہوگئی تو خلیفہ کے تقرر میں امت کا اختیار باقی نہ رہا۔

(۲۱) امام اور خلیفہ رسول کے لئے وہ سب صفات اور خواص لازم اور ضروری ہیں جو اس نبی میں تھیں جس کا یہ خلیفہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام دو قسم کے تھے۔ بعض کی بعثت کسی خاص قوم یا خطّہ کے لئے تھی اور بعض کی بعثت عام یعنی جن وانس و وحش وطیر وغیرہ جمیع مخلوقات الٰہی پر تھی۔ ہمارے نبی خاتم الانبیاء تھے ان کی نبوت

قیامت تک کے لیے تھی اور جملہ مخلوقاتِ عالم پر مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن میں میں سورۃ جن اور تاریخ وسیر میں حیوانات کی حاضریِ ان کی حاجت روائی اور ان کے ساتھ حُسن سلوک کے حالات پڑھیے حضور کو منطق الطیر کا علم ہونا اور انسان کی مختلف زبانوں کا سمجھنا اب ایسے اولوالعزم اور جامع الصفات نبی کا خلیفہ اور نائب بھی ایسی ہی شان کا ہونا ضروری ہے اور یہ خلافت و نیابت اسی کے لئے سزاوار ہے جو ان سب امور کو نبی کی غیر موجودگی کے زمانے میں باحسن وجوہ انجام دے سکے۔ اگر تمام دنیا کے آدمی اجماع کر کے کسی کو خلیفہ رسول بنائیں تو اس میں ان امور کی بجا آوری کی استعداد و صلاحیت کی موجودگی انھیں کیسے معلوم ہو سکتی ہے ایسے خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت کے اختیار اور بس کی بات نہیں ہے۔ ہند اور چین وغیرہ کے لوگ آئمہ اہلِ بیتؑ کی خدمت میں آتے تھے اور انھیں کی زبان میں ان کے سوالوں کا جواب ملتا تھا۔ یہود و نصاریٰ اور صائبین سے گفتگو میں عبرانی اور سریانی زبان کی آسمانی مقدس کتابوں سے استدلال وہی خلفاء کرتے تھے جن کو خدا نے امام اور نائبِ رسول بنایا تھا۔ ایسے موقعوں پر اُمت کے بنائے ہوئے خلفاء بے بس نظر آتے تھے اور ان کا وارث اور صحیح جانشین نہ ہونا سب پر بخوبی ظاہر ہو جاتا تھا۔ یہ دلیل اگرچہ واقعات پر مبنی ہے مگر واقعات بطور نظیر پیش کئے گئے ہیں اور اصل دلیل عقلی ہے یعنی نائب کی ذات میں مُنعیب کے منصب کے لوازم کا پایا جانا ضروری شرط ہے۔

(۲۲) قولہ تعالیٰ: تَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (۳۷/۹۵) کیا تم ان بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہو جن کو خود تراشتے ہو

مراد یہ ہے کہ جن بتوں کو تم بناتے ہو ان کو سڈول یا بے ہنگم بنانا، بگاڑنا اور توڑنا، اُلٹا یا سیدھا رکھنا، لٹانا یا کھڑا رکھنا، سب تمھارے اختیار میں ہے اور ہر امر میں وہ تمھارے محکوم ہیں۔ پھر وہ تمھارے معبود اور حاکم کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود برحق اور خدا وہی ہے جس نے تم کو بنایا اور اس پتھر وغیرہ کو بنایا جس سے تم بُت بناتے ہو اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہمارا بنایا ہوا خلیفہ کبھی ہمارا حاکم نہیں ہو سکتا بلکہ امام وہی جسے خدا نے امام بنایا ہے۔

(۲۳) قولہ تعالیٰ: اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً (۲/۳۰) اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (۲/۱۲۴) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (۳۲/۲۴) ان آیتوں میں خلیفہ بنانے کو اور امام بنانے کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اپنے اختیار کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں بندوں کو اختیار دوں گا کہ وہ جسے پسند کریں اپنا امام بنالیں اور نہ کسی نبی نے اپنی اُمت کو ایسا اختیار دیا اور نہ عقل اس کا جائز ہونا تجویز کرتی ہے۔ پھر خیر الامم یعنی اُمتِ محمدیہ جس کی کوئی بات خلافِ عقل نہیں ہے اسے یہ اختیار کیسے ہو سکتا ہے؟

(۲۴) قولہ تعالیٰ: اَفَمَنْ یَّهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ اِلَّا اَنْ یُّهْدٰی (۱۰/۳۵) جو شخص راہِ حق کی ہدایت کرتا ہے اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا جب تک اس کی ہدایت نہ کی جائے معلوم ہوا کہ ہادی اور راہ نما وہ شخص ہے جو ہدایت اُمت کے جملہ امور میں نیز اپنے ذاتی امور میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اور جب اجتماعی خلیفہ ہر امر میں یا بعض امور میں اُمت کی رائے زنی کا محتاج ہے تو وہ

برائے نام پیشوا اور امام ہے حقیقتاً اس میں اس عہدہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک اُمت کو خلیفہ بنانے کا اختیار ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیغمبر اصحاب کے مشورہ کے محتاج تھے اور خدا نے ان کو حکم دیا تھا۔ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (۳/۱۵۹) یعنی اصحاب سے مشورہ کرو۔ جب نبی کو اصحاب کے مشورہ کی احتیاج تھی اور ان کو خدا کا حکم بھی تھا تو خلیفہ اور نائب رسول کس شمار میں ہے مگر نبی اصحاب کی رائے کا محتاج اس وقت ہوتا جب خدا حضرت کو وحی کے ذریعہ اس امر میں مفید تجویز بتانے سے عاجز ہوتا۔ معلوم ہوا کہ خدا کا پیغمبر کو اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دینا اس کے وجوہ و اغراض کچھ اور ہیں ان میں سے چند یہ ہیں؛ [۱] تالیف قلوب [۲] دلوں کا حال معلوم کرنا اس لئے کہ منافقین کی کثرت تھی۔ [۳] نیتوں کی خوبی اور خرابی کا ظاہر کرنا۔ [۴] عقل اور بے عقل کی کیفیت کا اندازہ لگانا۔ [۵] اعتقاد کی پختگی اور کمزوری کو معلوم کرنا۔ اصحاب سے پیغمبر کے مشورہ کرنے کے یہ اغراض تھے اس لئے کہ نبوت اور ہدایت کا کام اُمت کے مشورہ کے بھروسہ پر نہیں چلتا۔ یاد رہے کہ امیر المومنینؑ کو کبھی کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ پیغمبر یقیناً امیر المومنینؑ سے افضل تھے اور عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ (۴/۱۱۳) کے مصداق اور ہر قسم کے مشورہ سے بے نیاز تھے۔ ایک دفعہ جب امیر المومنینؑ شوریٰ میں شریک ہونے کے لیے گھر سے نکلے اور عبداللہ ابن عباس نے شوریٰ سے برآمد ہونے والے نتیجہ کے متعلق اظہارِ خیال کر کے امیر المومنینؑ کو جانے سے منع کیا تو حضرت نے فرمایا ابن عباس نتیجہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن میرا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح جب امام

فرمایا اے شیخ نتیجہ تو مجھ سے پوشیدہ نہیں مگر خدا کے حکم پر کسی کی رائے غالب نہیں ہو سکتی۔ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ الامر میں۔ الف۔ لام جنس ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہے اس لئے کہ ہر امر میں پیغمبر کا اصحاب سے مشورہ کرنا ثابت نہیں ہے عام طور پر ہر امر میں مشورہ لینے کا حکم اس آیت یا کسی اور آیت سے نہیں نکلتا۔ امر پر الف لام عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص امر میں مشورہ لینے کا حکم ہے۔ دوسری آیت جو مشورہ کے متعلق ہے۔ اَمْرُھُمْ شُوْرَیٰ بَیْنَھُمْ (۴۲/ ۳۸) یعنی ان کا معاملہ ان کا باہمی مشورہ ہے۔ اس میں نبی داخل نہیں ہیں۔

(۲۵) علم کے تین درجے ہیں۔ (۱) یقین۔ یعنی کسی امر کے ہونے یا نہ ہونے کا یقین۔ (۲) ظن یعنی کسی امر کے ہونے یا نہ ہونے کو ترجیح جس کو گمان غالب کہتے ہیں۔ (۳) شک یعنی ہونا اور نہ ہونا دونوں احتمال کا برابر ہونا۔ عقل کا دستور یہ ہے کہ پہلے وہ طریقہ اختیار کریں گے جس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو۔ اگر یقین حاصل نہ ہو سکے تو ایسا طریقہ اختیار کریں گے جس سے گمان غالب حاصل ہو۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو ناچارہ شکوک کے ذریعہ اختیار کرتے ہیں۔ ساری دنیا اسی طریقہ پر کاربند ہے اور ہر شخص دنیوی کاروبار اسی طریقہ سے انجام دیتا ہے۔ خدا نے بھی اسی طریقہ پر ہم کو امور دین کی تکلیف دی ہے۔ جب کسی دینی امر میں خدا نے ایسا ذریعہ بتلا دیا ہے جس سے یقین حاصل کرنا ممکن ہو تو ظن اور گمان پر بنا کرنے کو منع فرمایا ہے چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ظن کی مذمّت وارد ہے۔ مثلاً اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم (۴۹/ ۱۲)۔ یعنی بعض مقام پر ظن پر کاربند ہونا گناہ ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں یقین پر عمل ہو سکتا ہے اور ہم اس کے خلاف ظن پر عمل کریں کہ دستور عقلی بھی اس آیت قرآنی سے مطابق ہے۔

اب امامت اور خلاف کے مسئلہ کو لیجئے۔ یہ معلوم ہے کہ یہ بڑا اہم اور ضروری کام ہے جس سے تمام دینی اور دنیوی امور وابستہ ہیں۔ خدا نے ہم پر رسول کی اطاعت کی طرح امام، خلیفہ اور اولی الامر کی اطاعت بھی واجب کی ہے اور نبی کی شناخت کا یقینی ذریعہ نبوت کے دعوے کے ساتھ معجزہ اور خرقِ عادت کو قرار دیا ہے۔ یہی شناخت امام اور خلیفۂ رسول کی ہے۔ خدا نے امام اور خلیفۂ رسول کی شناخت کا ایسا یقینی ذریعہ عطا کیا ہے جس سے خلیفہِ رسول کی شناخت ہو سکتی ہے۔ اس کو چھوڑ کر ہم طریقہ مظنون یعنی اجماع کو اختیار کریں اور اجماعی خلیفہ کی غلطی ظاہر ہونے کے بعد بھی اپنی کج آرائی پر جمے رہیں کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔

(۲۶) نبی اور خلیفہ دونوں کا تقرر اس لئے ضروری ہے کہ اُمت کے اختلاف اور نفسانیت کے باہمی جھگڑوں کو مٹائیں۔ اس لئے نبی اور امام کو مقرر کرنے والا جس قدر نفسانیت اور خودغرضی سے بری ہوگا اسی قدر اس کی تجویز خلائق کے نزدیک پسندیدہ ہوگی۔ ایسے بے غرض اور بے لوث جس کو جمیع خلائق کے نفع و ضرر کا یکساں خیال ہو اور جس کو یہ بھی خیال ہو کہ جو شخص جمیع خلائق کی حاجت روائی کی صلاحیت رکھتا ہو اسی کو اس کام پر مقرر کرے خدا اور خدا کے بعد نبی سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔ ان کے مقرر کئے ہوئے امام اور خلیفہ میں کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہوگا اور انکار ہوگا تو محض تعصب بے جا کی بنیاد پر ہوگا۔ امام اور خلیفہ مقرر کرنے کی غرض بے خرخشہ اسی وقت پوری ہوگی جب خدا اور رسول امام اور خلیفہ مقرر کریں۔ ورنہ امام و خلیفہ کے مقبول اور نامقبول ہونے میں جھگڑا ہوتا رہے گا۔ رفع اختلاف اور بے خرخشہ تعلیم و ہدایت کی اُمید جیسی خدا اور رسول کے

مقرر کردہ امام سے ہوسکتی ہے۔ اجماع کے مقرر کردہ سے کبھی نہیں ہوگی۔ اس دلیل سے خدا اور سول کے مقرر کردہ امام کی ترجیح ثابت ہے اور نصب امام کا خدا پر واجب ہونا ثابت ہے۔

(۲۷) امام اور خلیفہ کے ذمہ بہت بڑا کام دعوتِ جہاد ہے اور جہاد میں قتل نفوس، نہیب و غارت اور خدا کے آزاد بندوں کو لونڈی، غلام بنانا کیسے کیسے سخت احکام جاری کرنے پڑتے ہیں۔ پھر یہ شناخت کرنا کہ کفار اسلام کی دعوت قبول نہ کرکے اب انکار و عناد کے اس درجے پر پہنچ گئے ہیں کہ ان سے صلاح کی اُمید منقطع ہوگئی اور قتل کر دینے کے سوا اور کوئی تدبیر باقی نہیں ہے۔ اس کی یقینی شناخت اس کو ہو سکتی ہے جس کو خدا وحی یا الہام کے ذریعہ بتائے۔ یعنی نبی ہو یا امام ترتیب لشکر، جنگ و جدل میں تقدیم و تاخیر مخصوص کاموں کے لئے مجاہدین کا انتخاب اور ان کو نامزد کرنا ثابت قدم کی شناخت۔ اس امر کی شناخت کہ یہ مجاہد دشمن کے مقابلہ میں عدل و انصاف کے خلاف کوئی عمل نہیں کرے گا۔ اور غیظ و غضب کی حالت میں بھی احکام شریعت کا پابند رہے گا۔ یہ تمام باتیں صاحب وحی الہام سے مخصوص ہیں۔ اُمت کا بنایا ہوا خلیفہ جائز الخطاٗ ہے اور ہرگز اس صلاحیت کا حامل نہیں ہے۔ اس سے سخت جہاد منافقین ہے جو بظاہر مسلمان اور باطن میں کافر ہیں۔ یہ جہاد تو جہاد کفار سے بھی زیادہ دُشوار ہے پیغمبر کو منافقین سے جہاد کرنے کا قطعی حکم قرآن میں موجود ہے۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ (۹/۴۴) یقیناً تعلیم الٰہی سے آپ منافقین کو خوب پہچانتے بھی تھے لیکن حکم قطعی کی موجودگی اور منافقین کو پہچاننے کے باوجود آپ نے اپنے زمانہ حیات میں منافقین سے جہاد نہیں کیا اور اپنے وصی اور خلیفہ

برحق کے سپرد فرمایا۔ یہی سبب ہے کہ مذہب امامیہ میں غیبت امام میں جہاد حرام ہے۔ ہاں جہاد کی تیسری قسم جس کو دفاع (حفاظت خود اختیاری) کہتے ہیں حقوق الناس کی حفاظت سے متعلق ہے اور بہ مجبوری کی بنا پر غیبت امام میں جائز ہے اور جہاد اوّل جو خدا اور احکام خدا کو تسلیم کرانے کے لیے ہے۔ جب تک خلیفہ خدا یعنی نبی یا خلیفہ خدا و رسول یعنی امام موجود نہ ہو ہرگز جائز نہیں۔ اس لئے کہ ایسے امور میں درجہ یقین پر حدودِ الٰہی کی معرفت صاحب وحی والہام سے مخصوص ہے۔ جائز الخطاً اور غیر معصوم خلفاء کا کیا ذکر ہے خود آئمہ معصومین علیہم السلام شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کرنے سے باز رہے۔ کسی نے جناب سیّد الساجدینؑ پر سفر حج میں از راہ عناد و تعصّب اعتراض کیا کہ جہاد واجب کو ترک کر کے نماز اور حج پر متوجہ ہو گئے۔ امام نے فرمایا کہ جب ہم کو ایسے انصار ملے جن سے کارہائے جہاد کا سرانجام اچھی طرح ہو سکتا تھا اس وقت ہم نے جہاد بھی ایسا کیا جو جہاد کرنے کا حق ہے اور جب ویسے لوگ نہ رہے اب دیگر واجباتِ الٰہی کو ادا کر رہے ہیں۔ جس شخص نے کفار سے پیغمبر کے اور مخالفین سے حیدرِ کرارؑ کے جہادوں کو تاریخ اسلام میں پڑھا ہے اور اس کا دیدہ انصاف کھلا ہوا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ نبی اور امام منصوب من اللہ کے جہاد اور ہمارے بنائے ہوئے خلفاء کی جنگ و جدل میں کتنا بین فرق ہے۔ ہادیانِ برحق یعنی نبی و امام کے جہاد میں ایک واقعہ بھی عدل وانصاف کے خلاف نہ ملے گا اور دنیوی خلفاء کی جنگ و جدل میں کتنے واقعات ایسے کہ دین اسلام پر ملک گیری کا اعتراض قائم ہوتا ہے اور ان کی لڑائی صاف طور سے ایسی معلوم ہوتی جو سلاطین جور کرتے ہیں۔ اُمت کے بنائے ہوئے خلفاء کی بدولت دین اسلام میں ایسی خرابیاں داخل ہو گئیں جن

سے دشمنانِ اسلام کو اعتراض کرنے کا موقع ملا ہے۔ ظلم و تعدی سے اور عقل کی اور قرآن و اہلِ بیتؑ کی مخالفت سے مسلمان جس قدر موصوف ہوئے سب اسی خودرائی کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

(۲۸) وحی اور الہام کا حکم یقینی اور اجتہاد کا حکم ظنی ہوتا ہے اور جب یقینی حکم حاصل ہو سکے تو ظن پر عمل کرنا عقل اور شرع دونوں کی رو سے ناجائز ہے۔ جس طرح نبی کو تعلیم الٰہی سے ماضی، حال و مستقبل کے ہر امر کا یقینی حکم معلوم ہے اسی طرح امام منسوب من اللہ کو تعلیم نبی سے ہر امر ماکان و مایکون کا یقینی حکم معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے یقینی علم کی موجودگی میں اجتہاد نبی اور امام دونوں کے لیے حرام ہے۔

عقلی دلیل کے علاوہ نقلی دلیل اور کتب فریقین میں مروی ہے۔ خود جناب امیرؑ کے اقوال سے ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے نبی نے اپنے وصی اور خلیفہ کی تعلیم میں پورا اہتمام فرمایا ہے یہاں تک کہ جناب امیرؑ جب سوال نہ کرتے تو رسالت مآبؐ اپنی طرف سے ابتدا کر کے تعلیم فرماتے۔ سب اماموں کی تعلیم اسی عنوان سے ہوئی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کوئی شخص میرے اہلبیتؑ پر علمی فضیلت کا مدعی نہ ہو جس کا یہی مطلب ہے کہ آئمہ اہلِ بیتؑ اَعلَم اُمت ہیں۔ علمی مناظرہ کا جواز اور حکم قرآن میں موجود ہے۔ جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۱۶/ ۱۲۵) قرآن اور تاریخ میں بعض علمی مناظروں کا ذکر ہے۔ علمی مناظروں میں رسول اللہؐ اہلِ کتاب کے مقابلہ میں ہمیشہ غالب رہے۔ آئمہ اہلِ بیتؑ بھی مسلم یا غیر مسلم علماء سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ خلفائے وقت بھی جب کسی سوال کا جواب نہ دے سکتے یا کسی مسئلہ کو حل نہ کر سکتے اور مغلوب و مبہوت

ہوتے تو آئمہ اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کرتے ان کو مدد کے لیے بلاتے اور وہ ان کی مشکل کو حل کرتے یقینی حکم کا عالم اور عالم اُمت ہونا اس امام اور خلیفہ کی صفت ہے۔ جس کو خدا اور رسول نے امام اور اپنا خلیفہ بنایا ہو۔ اس پر اجتہاد حرام ہے اس لئے وہ خطائے اجتہادی سے بری ہے اور اسی کو ہم معصوم کہتے ہیں۔

(۲۹) خدا نے سورۃ حمد میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کی دُعا کرنے کا حکم دیا ہے اور صراطِ مستقیم کی تفسیر یوں کی ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو (خدا) نے انعام کیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ منصوص امام مراد ہے اور نبی یا امام بنانے سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہے جس کو خدا اپنی طرف منسوب کر کے ان کے راستہ کو صراطِ مستقیم فرماتا ہے۔ امام اور خلیفہ پر انعام اس کا ہے جس نے اسے امام اور خلیفہ بنایا ہے۔ اُمت کے بنائے ہوئے خلیفہ پر اُمت کا انعام ہے اور خدا کے بنائے ہوئے امام پر خدا کا انعام ہے اور ہم کو اسی کی پیروی کرنا واجب ہے جس پر خدا کا انعام ہو اور جس کے مغضوب اور ضال نہ ہونے کا یقین ہو۔ اُمت کا بنایا ہوا خلیفہ جائز الخطاء ہے اور جب خطاء کرے اس وقت اس کی اطاعت حرام اور وہ امام نہ رہا۔ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ نبی کی طرح کبھی خطا کار نہیں ہو سکتا اس لئے اُمت کے اختیار سے امام بنانا درست نہیں ہے۔

(۳۰) خدا کا بنایا ہوا امام اور خلیفہ اپنی امامت و خلافت پر مغضوب و ضال نہ ہونے پر نبی کی طرح یقینی دلائل پیش کر سکتا ہے جن کی وجہ سے اس کے امام برحق ہونے میں کسی کو شبہ نہیں رہتا۔ اُمت کا بنایا ہوا خلیفہ اس دلیل کے سوا کہ مجھے اُمت نے اپنا امام تسلیم کیا ہے اور اگر اپنی امامت اور خلافت پر اور دلائل بھی رکھتا ہے تو وہ بھی خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اگر اُمت کا بنایا ہوا خلیفہ بعض اشخاص اُمت کے

اتفاق واجماع کے سوا اپنی امامت پر کوئی دلیل نہیں رکھتا تو بعض اُمت کا اتفاق و اجماع قطعی اور یقینی دلیل نہ ہوگا اور اس کی پیروی سے صراطِ مستقیم پر چلنے کا یقین بھی نہ ہوگا اس لئے وہ امام برحق بھی نہ ہوگا۔

(۳۱) قولہٖ تعالیٰ: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ'' فِيْ دِيْنِ اللهِ (۲/۲۴) دین کے معاملہ میں ان کے ساتھ نرمی اور رعایت کا برتاؤ تم پر مسلّط نہ ہو۔ اس کا مصداق وہی امام اور خلیفہ ہو سکتا ہے جس کو خدا نے بنایا ہو۔ اُمت کا بنایا ہوا امام و خلیفہ اُمت کا احسان مند اور ممنون ہوگا اور وہ گروہ اور طبقہ جس پر عہدہ خلافت کا سہارا ہوگا واجب التعظیم اور واجب الرعایت ہوگا۔ لہٰذا کل اُمت سے اس کا برتاؤ مساوی نہ ہوگا۔ اپنے قوم وقبیلہ (بنی اُمیہ) کے ساتھ خلیفہ سوئم کا سلوک اور ان کی اس خاصیت کے متعلق خلیفہ دوئم کی رائے تاریخ میں پڑھیے۔

(۳۲) رسول نے فرمایا: من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاھلیة یعنی جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے اور بغیر شناخت کئے مر جائے وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرا جس شخص میں امامت کی صفات اور جانشینی رسول کی ساری شرائط موجود ہوں تو اس کا پہچان لینا ہی ہمارے لئے کافی ہے لیکن امامت کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جن کا پہچاننا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ پہچاننے میں غلطی کا امکان موجود ہے اس لئے پہچاننے کے واسطے پہچنوانا لازم ہے۔ اس قسم کا منصوص ومخصوص شخص بنا بنایا خلیفہ وامام ہے۔

(۳۳) اس حدیث میں امام کی شناخت کو واجب قرار دیا ہے اور شناخت اسی چیز کی ہوتی ہے جو ہمارے بنانے اور مقرر کرنے سے پہلے موجود ہو۔ جس کو ہم اپنی تجویز سے امام بنائیں اس کو شناخت کرنے کے کیا معنی۔ اگر یہ معنی ہیں کہ جس

میں امام کے مخصوص اوصاف ہوں اس کو اپنا امام سمجھیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ امام بنایا ہوا نہیں ہے۔ امام کا پہچان لینا اور ہے اور امام بنانا اور بات ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ہم گروہ آئمہ وہی ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے۔ ہماری معرفت کے سوا لوگوں کے اختیار میں کوئی بات نہیں ہے۔ خدا ہم کو نہ پہچاننے کا کوئی عذر نہ سنے گا یعنی ہر شخص پر واجب ہے کہ ہم کو پہچانے۔

(۳۴) نیابت اور جانشینی کا یہ طریقہ ہر قسم کے امور میں عام طور پر جاری ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اہم امور اور خدمات کسی خاص شخص کے سپرد کرتا رہے اور وہ تمام تفویض کئے ہوئے کاموں کو لیاقت سے اور عمدہ طریقہ پر انجام دیتا رہے اور اس طرح پہلے شخص کی زندگی ہی میں دوسرا شخص سر برآوردہ اور ممتاز ہو کر ہر ایک کے نزدیک نائب اور جانشین ہونے کا سزاوار ہو جائے۔ نائب کی نیابت اور جانشینی کی زیادہ تعداد اس وقت ہوتی ہے جب ہر اہم امر میں اسی کو افسر اور سردار بنایا جائے اور کبھی کسی مہم میں اس کو کسی اور کا ماتحت اور مطیع نہ کیا جائے۔ اس سے زیادہ اس نائب کی قائم مقامی اور جانشینی کی تصریح اور توضیح اس وقت ہوتی ہے جب کسی خاص منصبی امر کو کسی اور کے سپرد کیا جائے اور اس امر کو انجام دینے سے پہلے اسے معزول کر کے مخصوص نائب کو اس خاص امر کے انجام دینے پر مامور کیا جائے۔ اس سلسلے میں سورۃ برأت کی تبلیغ کا واقعہ یاد کیجئے اور تاریخ سے مدد لیجئے۔

(۳۵) رسول کی اطاعت کی طرح خلیفہ اور اولی الامر کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اولی الامر کسی حکم میں خطا نہ کرے۔ اُمت کا بنایا ہوا خلیفہ جائز الخطا ہو گا۔ اگر خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کوئی حکم نافذ

کرے اس وقت ہم اس کی اطاعت کرنے سے گنہگار ہوں گے اور اطاعت نہ کریں تو نافرمانی کی بنا پر گنہگار ہوں گے۔ غرض دونوں صورت میں گنہگار ہونا لازم ہے اور امام کا تقرر گناہ سے بچنے کے لئے ہے۔ وہ غرض پوری نہ ہوگی اس لئے اُمت کا مقرر کیا ہوا امام عام طور پر واجب الاطاعت نہ رہا اور وہ امام نہیں ہے۔

(۳۶) نبی کی طرح امام بھی عام طور پر واجب الاطاعت ہے۔ اُمت کا بنایا ہوا جائز الخطاءٗ امام جب خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کوئی حکم صادر کرے تو امام کی پیروی کرنے سے اجر وثواب حاصل ہوگا اور اس کے غلط حکم پر عمل کرنے سے گناہ ہوگا۔ یعنی ایک ہی کام کرنے سے ثواب بھی ہوگا اور عذاب بھی اور یہ بالکل مہمل بات ہے۔ اس لئے اُمت کے اختیار سے امام کا تقرر کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔

(۳۷) پیغمبر نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا:

انت مِنی بمنزلة هارون من موسیٰ اِلا آنه لانبی بعدی.

حضرت موسیٰؑ نے وصی اور وزیر کی نسبت خدا سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور خلیفہ مقرر کر دے۔ اُمت تو درکنار خود حضرت موسیٰؑ بھی خدا کے حکم کے بغیر اپنے خلیفہ کا تقرر نہ کر سکے۔ حدیث سے ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارون کی نسبت خدا سے دعا کی تھی ہمارے نبی نے بھی اپنے خلیفہ کے لئے خدا سے دعا کی ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں پیغمبر نے حضرت علیؑ کو عام طور سے ہارونؑ کا مثل قرار دیا ہے۔ صرف نبوت کو مستثنیٰ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح خدا نے ہارونؑ کو موسیٰؑ کا خلیفہ مقرر کیا تھا اسی

طرح ہمارے نبی کا خلیفہ بھی خدا نے ہی مقرر کیا۔ اس لئے کہ یہ عام اصول ہے کہ استثنیٰ باقی امور میں حجیت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ حدیث منزلت اس امر کی قوی دلیل ہے کہ خلیفۂ رسول خدا ہی مقرر کرتا ہے۔

(۳۸) حضرت داوؑد اپنے وصی کے تقرر کے لئے فکر مند تھے ان کی بیوی نے اپنے فرزند کی سفارش کی مگر خدا نے فرمایا کہ اے داوؑد جلدی نہ کرو جب تک کہ تعیین وصی کے بارے میرا حکم نہ آ جائے۔ چنانچہ وہ جناب حکم الٰہی کے منتظر رہے یہاں تک کہ بھیڑ اور انگور کی بابت دو آدمی حضرت داوؑد کے پاس فریادی آئے خدا نے وحی کی کہ اے داوؑد اپنے فرزندوں کو جمع کر کے اس استغاثہ کا فیصلہ ان کے سپرد کرو جو ٹھیک فیصلہ کرے وہی تمھارا وصی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ درست نکلا۔ حضرت داوؑد نے فرمایا! میرا خیال کچھ اور تھا خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ سب انبیاء کا یہی حال ہے۔ اپنا وصی تجویز کرنے میں خدا کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۳۹) قولہ تعالیٰ: لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۲/۱۲۴) میرا عہد (امامت) ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اَوْفُوْا بِعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ (۲/۴۰) میرے عہد کو پورا کرو۔

پہلی آیت حضرت ابراہیمؑ سے خدا کا خطاب ہے۔ امام کی گفتگو میں خدا نے امامت کو اپنا عہد قرار دیا ہے۔ اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ خدا کے کیے ہوئے عہد کا پورا کرنا خدا کا کام ہے یا انسان کے ذمہ ہے دوسری آیت میں میرے عہد کو پورا کرو کا یہی مطلب ہے کہ ظالموں کو اپنا امام نہ بناؤ۔ اس لئے کہ خدائی عہد یہی ہے کہ امام ظالم نہیں ہو سکتا اور جو غیر معصوم ہے ہر وقت اس سے خطا صادر ہونے کا

امکان ہے اور وہ ظالم ہے۔ اس لئے ایفائے عہد الٰہی کا یقین اسی وقت ہوگا جب اس امام کی پیروی کریں جو ظالم نہ ہو اور امام بنانے سے پہلے اس کی شناخت انسانی علم کے دائرہ سے باہر ہے جب تک خود امام اپنی عصمت کا ثبوت نہ دے ایسا امام وہی ہوسکتا ہے۔ جس کو خدا نے مقرر کیا ہو۔

(۴۰) رسول اللہؐ نے فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی و انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض. پیغمبر نے اپنے بعد اپنی اُمت کے لئے دو ہادی چھوڑنا صاف طور سے ارشاد فرمایا۔

قرآن اور اہلِ بیتؑ دونوں کی پیروی کا حکم دیا اور قیامت تک دونوں کا ساتھ رہنا بھی بیان کیا۔ قرآن کا خدا کی طرف سے ہادی ہونا تو ظاہر ہے دوسرا ہادی جو اہل بیتؑ سے ہے، خدا کے حکم سے اس کا تقرر بھی نبی نے فرما دیا اور قیامت تک دونوں کا ساتھ رہنا بھی بیان کیا۔ اس لئے کہ پیغمبر کوئی کلام عموماً اور ہدایت سے متعلق کام خصوصاً اپنی خواہش سے نہیں کرتا اور اس کا ہر قول و فعل خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد امام اور خلیفہ بنانے کا اختیار اُمت کو کہاں باقی رہا۔ اس حدیث میں صاف طور پر وارد ہے کہ جن ہادیوں کی پیروی کر کے اُمت قیامت تک گمراہی سے بچ سکتی ہے یہی دونوں ہیں۔ ہادی دوئم مفسر و حاملِ قرآن ہے بلکہ بقول امیر المومنینؑ قرآن ناطق وہی ہے ہادی دوم کے بغیر تنہا قرآن ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔

فرقہ امامیہ اثناء عشریہ کے نزدیک نصب امام باری تعالیٰ پر واجب ہے اور یہ وجوب عقلی ہے اور یہی مذہب حق ہے جس کی حقانیت پر دلیل یہ ہے کہ

امامت لطف ہے اور ہر لطف اللہ پر واجب ہے پس نصب امام اللہ پر واجب ہے۔ اس قیاس کا مقدمہ کبریٰ یعنی ہر لطف اللہ پر واجب ہے۔ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اور مقدمہ صغریٰ یعنی امامت لطف ہے۔ پس اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص سرد و گرم زمانہ کا تجربہ کیے ہوئے سیاست کے قوانین جس کے پیش نظر ہیں اس کے نزدیک یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ بندوں کے لئے جب کوئی ایسا حاکم موجود ہوگا جو بندوں کے معاملات میں ان کی رہنمائی کرنے والا ہو تمام بندے دل سے اس کی اطاعت کرتے ہوں یہ حاکم ظالم کو ظلم سے روکتا ہو۔ مظلوم کی فریاد رسی کرتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ قواعد عقلیہ و وظائف دینیہ کی پابندی پر بھی بندوں کو ان مفاسد پر زجر و توبیخ کرتا ہو جو نوع انسانی کے نظام میں خلل واقع ہونے کا سبب ہوں اور بندوں کو ان قبائح پر زجر و توبیخ کرتا ہو جو ہلاکت اخرویہ کا سبب ہیں۔ بندوں کو اس امر کا خوف ہو کہ یہ حاکم ہم سے مواخذہ کرے گا۔ اس صورت میں بندے فلاح دنیوی و اخروی سے قریب اور فساد سے بعید ہوں گے اور لطف کے معنی یہی ہیں کہ جو بندوں کو طاعت سے قریب اور معصیت سے بعید کرنے والا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ امامت لطف ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے و نیز معلوم ہونا چاہیے کہ جو دلائل وجوب نبوت پر قائم ہیں وہی دلائل وجوب امامت کو بھی ثابت کرتے ہیں کیوں کہ نبوت و امامت میں سوائے وحی ربانی کوئی فرق نہیں ہے۔ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور امام پر وحی نازل نہیں ہوتی (بلکہ الہام ہوتا ہے) پس جس طریقہ سے باری تعالیٰ پر نبی کو مبعوث فرمانا واجب ہے۔ اسی طریقہ سے نصب امام واجب ہے۔

نصبِ امام بندوں کے متعلق کرنے کی خرابیاں

جولوگ وجوب نصب امام بندوں کے متعلق کرتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ بندوں سے دفع ضرر کے لئے امام کی ضرورت ہےاور دفع ضرر خود بندوں پرواجب ہے۔لہٰذا نصب امام بھی بندوں پر واجب ہے۔اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ امامت کے دافع ضرر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن جس ضرر کے دفع کے لئے امامت کی ضرورت ہے۔وہی ضرر اس وقت لازم آتا ہے۔جب یہ وجوب بندوں کے متعلق کردیا جائے۔نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار ملا طاہر فتنی ملل ونحل شہرستانی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول موجود ہے:

اِنَّ بَیْعَۃَ اَبِی بَکْرٍ کَانَتْ فلتۃ وقی اللّٰہُ شَرّھا

ابوبکر کی بیعت ایک اتفاقی وناگہانی واقعہ تھاجس کے شر سے اللہ نے بچالیا۔

نیز ملل ونحل شہرستانی میں ہے:

واعظم خلاف بین الامّۃ خلاف الامامۃ

اذماسلّ سیف قطّ علی قاعدۃ دینیّۃ

کماسلّ علی الامامۃ.

اُمت میں سب سے بڑا اختلاف امامت کا اختلاف ہےاس لیے کہ اتنی خون ریزی کسی قاعدہ دینیہ کے متعلق نہیں ہوئی۔جتنی خون ریزی امامت کے متعلق ہوئی۔

امامت کے متعلق خون ریزی کا سبب صرف یہ تھا کہ بندوں نے فریضہ نصب امام کو اپنا فریضہ سمجھ لیا تھا۔نصب امام من جانب اللہ ہونے میں نہ مسلمانوں

میں کسی قسم کا فساد ہوتا اور نہ خون ریزی۔ علاوہ ازیں امام کے لیے شرط ہے کہ معصوم ہو اور اللہ و رسول کی جانب سے مخصوص ہو یہ دونوں شرطیں بندوں سے نصب امام کے تعلق کو ختم کر دیتی ہیں۔

دفنِ رسولؐ میں شرکت

وجوب نصب امام پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کے متعلق ہم علامہ تفتازانی کی عبارت نقل کرنا چاہتے ہیں:

شرح العقائد للسفی للعلامہ التفتازانی، ص ۱۳۹

ثم الاجماع علی انّ نصب الامام واجب انما الخلاف فی انہ یجب علی اللہ ام علی الخلق عقلاً او سمعاً والمذھب انہ واجب علی الخلق سمعا لقولہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ وندا قدموہ	پھر اِس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نصب امام واجب ہے اختلاف صرف اِس بارے میں ہے کہ نصب امام اللہ پر واجب ہے یا بندوں پر اور وجوب عقلی ہے یا سمعی مذہب اہلِ سنّت ہی اثناء عشرہ یہ ہے کہ نصب امام بندوں پر واجب ہے اور یہ وجوب سمعی ہے۔ جس کی دلیل جناب رسالت مآب صلعم کا یہ قول ہے کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانتا ہو وہ کفر کی موت مرتا ہے۔

علی دفنِ النبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم. اسی لیے اُمت نے نصب امام کو دفنِ رسول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر مقدم رکھا۔

جن مسلمانوں کے نزدیک فریضہ نصب امام کا تعلق بندوں سے نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک نصب امام اللہ کا فریضہ تھا وہ فریضہ نصب امام میں شریک نہیں ہوئے بلکہ فریضہ دفنِ رسول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم میں شریک رہے۔

ہم اس پر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے فرمان واجب الاذہان کی توضیح کرنا چاہتے ہیں۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ارشاد ومن مات ولم یعرف. کے متعلق کسی مسلمان کو چون و چرا کا حق نہیں ہے اور نہ اس میں کسی جرح و قدح کی گنجائش ہے کیوں کہ اس حدیث پر اہلِ اسلام کے اہم فریضہ (نصبِ امام) کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ اگر کہیں حدیث کو قابلِ جرح و قدح سمجھ لیا گیا تو امامت کا وجوب ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ اس حدیث کے علاوہ امامت کے وجوب پر کوئی دلیل سمعی نہیں ہے اس حدیث میں چند امور غور طلب ہیں۔

۱- ایک وقت میں تمام دنیا کے لئے ایک ہی امام ہو سکتا ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۲- تا بقائے تکلیف ہر زمانہ میں امام کا وجود ضروری ہے کیوں کہ من مات میں عموم ہے کسی زمانہ کہ تخصیص نہیں ہے۔ اگر کوئی زمانہ ایسا فرض کیا گیا کہ جس میں امام موجود نہ ہو تو اس زمانہ والوں کی موت کفر کی موت ہو گی جس کی ذمہ داری اللہ پر عائد ہوتی ہے۔

۳- اس حدیث سے ہر زمانہ میں امام کا موجود ہونا ثابت ہے یہ حدیث اس

امر پر دلالت نہیں کرتی کہ نصبِ امام کا تعلق بندوں سے ہے۔

۴- بندوں کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں نصب امام کر سکیں۔ ایک شہر یا ایک ملک کے لیے بندے کسی شخص کو اپنا امام بنا سکتے ہیں لیکن کسی ایک شہر یا ایک ملک کا بنایا ہوا امام تمام دنیا کے لئے واجب الاتباع ہو جائے یہ امر ناممکن ہے۔

۵- امام کے لیے حضور ضروری نہیں بلکہ غیبت بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ حدیث سے ہر زمانہ والوں کے لیے اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور معرفت جس طریقہ امام حاضر کی ہو سکتی ہے اسی طریقہ سے امام غائب کی معرفت ہو سکتی ہے۔ اگر امام غائب کی معرفت میں کوئی اشکال ہے تو اللہ و قیامت و ملائکہ پر ایمان ختم ہو جائے گا بلکہ جن لوگوں نے رسول (صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم) کو نہیں دیکھا اُن کا ایمان بالرسالۃ بھی ثابت نہ ہو سکے گا کیوں کہ ان لوگوں کا ایمان غائب پر ہے۔ ایمان کے لیے معرفت ضروری ہے بغیر معرفت ایمان ممکن نہیں ہے۔

۶- امامت اُصولِ دین میں داخل ہے جیسا کہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا مسلک ہے۔ اس لیے کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے عدم معرفت امام زمانہ کی حالت میں مر جانے کو کفر کی موت فرمایا ہے اور با اتفاق مسلمین فروع دین میں سے کسی فرع کی عدم معرفت کی حالت میں مرنا کفر کی موت نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص توحید یا نبوت یا معاد کی عدم معرفت کی حالت میں مرتا ہے تو کفر کی موت مرتا ہے لیکن اگر کوئی

شخص توحید و نبوت و معاد کا اقرار کرتے ہی بغیر کسی فرع کو پہچانے ہوئے مرجائے تو وہ شخص کفر کی موت نہیں مرتا ہے چوں کہ عدم معرفت امام زمانہ کی حالت میں مرجانے کو جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کفر کی موت فرمایا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ امامت اُصولِ دین میں شامل ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ امامت اُصولِ دین میں سے ایک اصل ہے تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نصبِ امام اُمت کا فریضہ نہیں ہوسکتا کیوں کہ اُصولِ دین میں اُمت کو کوئی دخل نہیں۔ اگر اُصولِ دین میں اُمت کا دخل تسلیم کیا گیا تو دینِ اسلام دینِ الٰہی نہ رہے گا۔

شرائطِ امامت

امام کا معصوم ہونا

پہلی دلیل: امام محافظ شریعت ہوتا ہے جو محافظ شریعت ہو اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر امام معصوم نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل باطل ہے۔ پس امام کا غیر معصوم ہونا باطل ہے۔ عدم عصمت امام کی صورت میں تسلسل اس لیے لازم آئے گا کہ نصب امام کی احتیاج کا سبب یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ مظلوم کی فریادرسی کی جائے۔ اگر امام غیر معصوم ہوگا تو دوسرے امام کا محتاج ہوگا۔ اگر دوسرا امام بھی غیر معصوم ہے تو تیسرے امام کا محتاج ہوگا۔ وعلی ہذا القیاس احتیاج پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ تسلسل لازم آجائے

گا۔ یعنی لا متناہی ائمہ کا وجود لازم آئے گا جو محال ہے۔

عصمت امام پر دوسری دلیل

امام کے معصوم ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر امام کسی گناہ کا مرتکب ہوگا تو اس ارتکابِ جرم پر امام کو زجر و توبیخ کرنا اُمت پر واجب ہوگا یا واجب نہ ہوگا۔ اگر واجب ہوگا تو امام کی عصمت لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر واجب نہ ہوگا تو اُمت سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ یہ دونوں چیزیں باطل ہیں کیوں کہ پہلی صورت میں نصبِ امام کا فائدہ ختم ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ایک واجب کا غیر واجب ہونا لازم آئے گا۔

عصمتِ امام پر تیسری دلیل

امام شرع کا محافظ ہوتا ہے اگر امام غیر معصوم ہوگا تو شریعت زیادتی و کمی سے محفوظ نہ رہے گی۔

عصمتِ امام پر چوتھی دلیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی ذرّیت کے لیے امامت کی خواہش کی تھی اور بارگاہِ باری تعالیٰ میں عرض کیا تھا۔ اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو امام بنایئے گا۔ تو جواب ملا تھا کہ میرا عہدہ امامت ظالمین تک نہ پہنچے گا۔ کیوں کہ غیر معصوم سے وقوع خطا کا امکان ہے اور ہر خطا ظلم ہے۔ پس جہاں ظلم کا امکان ہو وہاں عہدہ امامت کے پہنچنے کا امکان نہیں ہو سکتا۔ پس غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا۔

امام کی عصمت کے متعلق اُمت میں اختلاف ہے فرقہ امامیہ اثناء عشریہ و فرقہ اسماعیلیہ عصمت امام کا قائل ہے۔ دیگر فرق اسلامیہ کے نزدیک عصمت شرط امامت نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

امام محافظ شریعت ہوتا ہے اور جو محافظ شریعت ہو اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ امام کے محافظ شریعت ہونے پر دلیل یہ ہے کہ شریعت کے لیے حفاظت کی ضرورت ہے اور محافظ شریعت امام کے علاوہ امورِ ذیل میں سے کوئی ایک امر ہوسکتا ہے۔ محافظ شرع یا قرآن ہوگا یا حدیث متواتر یا اجماع یا برأت اصلیہ یا قیاس یا خبر واحد یا استصحاب ان امور میں سے کسی امر میں محافظ شرع ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قرآن وحدیث تمام احکام کے اخذ کے لیے کافی نہیں ہیں۔

اگر اخذ احکام کے لیے قرآن وحدیث کافی ہوتے تو اجماع وقیاس کی احتیاج نہ ہوتی حالانکہ ہر واقعہ میں حکم خدا موجود ہے جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اجماع محافظ شرع نہیں۔ اولاً اس لیے کہ ہر واقعہ میں اجماع کا وجود نہیں ہے حالانکہ ہر واقعہ میں حکم خدا ہوتا ہے۔ دوم اس لیے کہ اگر اجماع میں معصوم شامل نہیں ہے تو اجماع حجت نہیں ہے اس لئے کہ خطا کاروں کے مجموعہ میں عصمت نہیں آسکتی۔ فرداً فرداً ہر شخص سے غلطی ممکن ہے۔ پس مجموعہ سے بھی غلطی کا امکان ہے مجموعہ کے لیے جواز خطا کے امکان پر قرآن [illegible] موجود

ہے خداوند عالم کا ارشاد ہے:

اِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ علٰی اَعْقَابِکُمْ.

اگر رسول مرجائے یا قتل ہو جائے تو تم کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں:

الا لا ترجعوا بعدی کُفّاراً خبردار میرے بعد کافر نہ ہو جانا۔

تجویز خطا اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں خطا جائز ہو مثلاً کسی انسان سے لا تطِر (مَت اُڑ) نہ کہا جائے گا کیوں کہ انسان کے لیے اُڑنا ممکن نہیں ہے۔ اگر مجموعہ کے لیے کفر کی طرف پلٹ جانے کا امکان نہ ہوتا تو ان سے انقَلَبْتُمْ عَلٰی اعقابکُمْ ولا ترجعوا بعدی کفاراً سے خطاب نہیں فرمایا جا سکتا تھا۔

برأیت اصلیہ محافظ شرع قرار نہیں پا سکتی ورنہ شرع کے اکثر احکام ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ برأیت اصلیہ پر اس مقام پر عمل کیا جاتا ہے جہاں کسی امر کے متعلق وجوب یا حرمت ثابت نہ ہو تو اس وجوب یا حرمت کو برائت اصلیہ کے ذریعہ ختم کر دیا جاتا ہے یعنی اصل یہ ہے کہ واجب یا حرام نہیں ہے۔

قیاس وخبر واحد واستصحاب محافظہ شرع قرار نہیں پا سکتے کیوں کہ یہ تینوں مفید یقین نہیں ہیں بلکہ مفید ظن ہیں اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَایُغْنِیُ مِنَ الحَقِّ شَیْئاً. تحصیل حق کے لیے ظن کافی نہیں ہے۔

خصوصاً قیاس پر عمل کے ممنوع ہونے کے متعلق دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ ہماری شریعت میں متفق اشیاء کے احکام مختلف اور مختلف اشیاء کے احکام متفق ہیں۔ مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ کا روزہ واجب ہے اور شوال کی پہلی تاریخ کا روزہ حرام ہے۔ پیشاب و پاخانہ دو مختلف حدثیں ہیں لیکن وجوب وضو میں دونوں متحد ہیں۔

قتل خطا وظہار۔ (اپنی زوجہ کو ماں یا بہن سے تشبیہ دینا) دو مختلف چیزیں ہیں لیکن کفارہ دونوں کا ایک ہے شارع علیہ السلام نے معمولی سی چوری کرنے والے پر ہاتھ کاٹنے کی حد جاری فرمائی اور یہ حد مال کثیر کے غاصب پر جاری نہیں فرمائی قذف زنا (زنا) کی حد تین سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا اور چار گواہوں کی گواہی کو واجب قرار دیا گیا۔ کفر میں نہ کوڑوں کی سزا ہے اور نہ چار گواہوں کی گواہی کی ضرورت ہے۔ یہ تمام احکام قیاس کے منافی ہیں۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے:

تعمل هذه الامة برهة بالكتاب و برهة بالسنة و برهة بالقياس فاذا فعلوا ذلك فقل ضلّوا واضلّوا.	میری اُمت کے کچھ لوگ صرف قرآن پر عمل کریں گے اور کچھ محض سنّت پر عمل کریں گے اور کچھ لوگوں کا عمل فقط قیاس پر ہوگا۔ جب یہ ایسا کریں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

امور مذکورہ بالا جن کے محافظ شرع ہونے کا امکان ہوسکتا تھا۔ اُن میں سے جب کسی ایک کا بھی محافظ شرع ہونا ممکن نہ ہو تو صرف ایک یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ محافظ شرع امام ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ امام کے محافظ شرع ہونے کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ رَدُّوهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ. (سورة النساء، آیت ۸۳)	اگر یہ لوگ امر متنازعہ فیہ میں رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کر لیتے تو امر متنازعہ فیہ کا حل مل جاتا۔

یعنی امر متنازعہ فیہ کا حل صرف مبلغ شرع یعنی رسول یا محافظین شرع یا اولی الامر کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ دوسرے امر کا بیان یعنی محافظ شرع کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ وہ اس لیے کہ اگر محافظ شرع معصوم نہ ہوگا تو شرع زیادتی و کمی اور تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔

قرآنی دلیلیں

اس حصہ میں آسان فہم اور عام فہم مختصر دلیلوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ جن کی بناء آیاتِ قرآنی پر ہے۔ یہ دلیلیں اس امر کے متعلق ہیں کہ امام کا معصوم ہونا واجب اور ضروری ہے۔ اس لیے پہلے معصوم کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔ معصوم وہ صاحبِ اختیار ہے جو معصیت پر قادر ہونے کے باوجود خوفِ خدا کے سبب گناہ کرنے سے باز رہے۔ شریعت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ قوت قدسیہ کے ذریعے سمجھتا اور جانتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور قبیح کیا ہے۔ معروف کیا ہے اور منکر کیا ہے اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے۔ یہ قوتِ فیصلہ اور قوتِ امتیاز نفسِ قُدسی کا ملکہ ہے۔ یہ قوتِ قُدسیہ اور خوفِ خدا دونوں مل کر اس کو گناہ کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ عصمت کی باطنی صفت انہی پوشیدہ خاصیتوں کا ثمرہ ہے۔

اولی الامر کی اطاعت

قولہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۴/۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو اپنے رسول اور صاحبانِ امر کی۔ پھر اگر کسی بات پر تم آپس میں جھگڑا کرو تو اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو خدا اور رسول پر چھوڑ دو۔

غیر معصوم کی اطاعت کو مطلقاً یعنی ہر حال میں واجب قرار دینا عقلاً قبیح اور اس لیے محال ہے کہ خدا نے جس کی اطاعت کا حکم دیا وہ یقیناً معصوم ہے یعنی رسول اور اولی الامر یا امام دونوں معصوم ہیں۔

خدا نے امام کی اطاعت کا حکم دیا اور وَلا تتبعوا خطوات الشیطان (۲/۲۰۸) کہہ کر شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے یعنی شیطان کی پیروی کرنے سے منع کیا۔ ایک پیروی کا حکم اور ایک پیروی کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پیروی کا ایک ہونا محال ہے۔ اس طرح جس پیروی کا حکم ہے اس کے پیروکار کے لیے جس پیروی کی ممانعت ہے اس کا پیروکار نہ ہونا لازم ہے یعنی امام کی پیروی سے شیطان کی عدم پیروی لازم ہے جب کہ غیر معصوم کی پیروی سے شیطان کی عدم پیروی لازم نہیں ہوتی۔ اس لیے غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا امام معصوم ہی ہوتا ہے۔ (نمبر ۵۴)

رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو یا اور جن دو کلموں کے درمیان واقع ہوتا ہے، وہ عامل کا اثر قبول کرنے میں مساوات رکھتے ہیں آیت میں الرسول و اولی الامر دونوں اطیعوا کے زیرِ عمل ہیں اور خدا کا قول دونوں کی اطاعت کو مشترک اور مستقل وحدت قرار دیتا ہے۔

خدا نے رسول کی اطاعت کا مفہوم یہ کہہ کر بیان کیا ہے ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا. یعنی جو دے اور جس سے

رو سے اس میں عمومیت پائی جاتی ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ رسول کے امر اور نہی کے ہر حکم کو قبول کرنا واجب ہے اور یہ رسول کی عصمت کی دلیل ہے۔ بالکل اسی حیثیت سے اولی الامر کے ہر ہر حکم کو تسلیم کرنا واجب ہے اور اس لیے اس کا معصوم ہونا بھی واجب ہے۔ سچ ہے اولی الامر معصوم ہی ہوتا ہے اور معصوم ہی اولی الامر ہو سکتا ہے۔ جو معصوم نہیں وہ اولی الامر ہرگز نہیں ہے۔ ہاں دنیوی حاکم ہے جس کو خدا نے حاکم نہیں بنایا۔ اس لیے کہ معصوم حاکم بنانے کی قدرت رکھتے ہوئے غیر معصوم کو ہماری گردنوں پر مسلط کر کے بے راہ روی کا دروازہ ہم پر کھول دے اس کو حکیم و قدیر کون سمجھے گا؟ غیر معصوم کے حاکم بننے میں اس نے رکاوٹ پیدا نہیں کی تاکہ وہ اپنے انجام کا استحقاق خود پیدا کرے۔

رسول اور اولی الامر کی اطاعت خدا کی طرح واجب ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ دونوں کے حکم ایک طرح کے ہوں لیکن خدا کے حکم میں کسی خطا کا قطعاً امکان نہیں ہے اور معصوم سے ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ معلوم ہوا رسول معصوم ہوتا ہے اور اولی الامر یا امام بھی معصوم ہوتا ہے۔

خدا نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کی طرح قرار دیا ہے اور جس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح ہو اس کا بلانا بھی یقیناً ان دونوں کے بلانے کی طرح ہے لیکن خدا کا بلانا یقین کے لیے مفید ہے۔ اس لیے امام کا بلانا یا کسی امر کی طرف متوجہ کرنا بھی یقین پیدا کرتا ہے اور یقین کے لیے مفید ہے لیکن غیر معصوم جائز الخطا ہے اور خطا کے امکان سے غیر معصوم کا قول یقین کے لیے مفید نہ رہا۔ اس لیے امام غیر معصوم نہیں ہو سکتا امام معصوم ہی

ہوتا ہے۔

خدا نے تمام مومنین پر امام کی اطاعت مطلقاً واجب کی ہے اور امام کی اطاعت کلی اطاعت ہے اور وہ روش جس کی پیروی خدا نے تمام مکلفین پر واجب کی ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں ہے یقیناً مومنین کی روش ہے اور جس نے مومنین کی روش کی مخالفت کی خدا نے اس کی مذمت کی ہے۔ ومن یتبع غیر سبیل المومنین نوّلہ ماتولی و نصلہ جھنم یعنی جس نے مومنین کے جادہ سے الگ روش اختیار کی تو وہ جدھر مڑے گا ہم اس کو قول وفعل وترک وتقریر مومنین کا جادہ اور روش ہے اور جس نے مومنین کے جادہ اور روش کی مخالفت کی وہ خدا کی مذمت کا یقیناً مستحق ہے یعنی جس نے امام کے قول یا فعل یا ترک یا تقریر کی مخالفت کی وہ خدا کی مذمت کا یقیناً مستحق ہے۔

چوں کہ غیر معصوم سے خطا کا امکان ہے اور وہ معصیت کا حکم دے سکتا ہے اس کی مخالفت کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔ اس لیے غیر معصوم کی مخالفت کرنے والے کے لیے مذمت کا مستحق ہونا لازم نہیں ہے لیکن امام کی مخالفت کرنے والے کے لیے مذمت کا مستحق ہونا لازم اور یقینی ہے۔ اس لیے امام غیر معصوم نہیں ہو سکتا امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

جس طرح رسول کا امر یقینی علم پر مبنی یعنی بیّنہ ہوتا ہے اس طرح اولی الامر کا حکم بھی بیّنہ ہوتا ہے مگر غیر معصوم کا قول یقینی علم کا فائدہ نہیں دیتا اور بیّنہ نہیں ہوتا۔ اس لیے غیر معصوم اولی الامر نہیں ہو سکتا۔ اولی الامر امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

احکام خصوصاً عبادت سے متعلق احکام میں خطا سے بڑھ کر کوئی رجس اور کثافت نہیں ہے اور احکام میں خطا سے حقیقتاً اور یقیناً محفوظ رہنے سے زیادہ

کوئی طہارت نہیں ہے۔ اعمال کی طہارت یعنی خطا سے پاک رہنے کے تین طریقے آیت نے بیان کیے ہیں یعنی حکم خدا، حکم رسول اور حکم اولی الامر کی بجا آوری۔ حکم امام حکم خدا اور رسول کے بعد ہے اور یہ ترتیب بلحاظ شرف ہے ورنہ نفسِ امر اور مرادِ امر کی حقیقی اہمیت اس کا درست ہونا ہے اور صواب و درست ہونے کی حیثیت اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ معصوم ہو اس لیے امام کا معصوم ہونا واجب ہے۔ نبی کی طرح امام کی اطاعت واجب ہے نبی کی اطاعت مامور اور مامور بہ دونوں لحاظ سے عام ہے یعنی تمام مومنین پر اور تمام امور میں واجب ہے۔ اس لیے امام کی اطاعت بھی اسی عنوان سے یعنی تمام مومنین پر تمام امور میں واجب ہے۔ اگر امام معصوم نہیں ہے۔ جس پر اجتہاد حرام ہے تو مجتہد ہوگا۔ مجتہد ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ حکم نبی کے خلاف مکلّف کو حکم دے:

(۱) دونوں حکموں کی تعمیل واجب ہونا اجتماع ضدّین اور تکلیف مایطاق ہے جو محال اور باطل ہے ایک حکم کی تعمیل ہونا خلافِ تقدیر ہے۔ تقدیر اور مقدر یعنی مقرر کی ہوئی صورت یہ ہے کہ دونوں کی اطاعت واجب ہے۔

(۲) حکم نبی سے موافقت کی صورت میں حکم امام کی تعمیل واجب ہو تو مکلّف کہہ سکتا ہے کہ آپ کی اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے جب تک حکم نبی سے آپ کے حکم کا موافق ہونا معلوم نہ ہو اور وہ مجھے معلوم نہیں ہے اس طرح امام سے رشتہ منقطع ہو جائے گا اور یہ امام کے مقرر کرنے کی غرض کے منافی ہے۔

(۳) غیر مجتہد کو علم پر دسترس نہیں ہوتی۔ اگر حکم نبی سے حکم امام کی موافقت کا معلوم ہونا تعمیل حکم امام کی شرط نہیں ہے تو پہلی صورت کی طرح اجتماع

ضدین ہوگا۔ دونوں حکموں کی تعمیل محال اور اُن کا واجب ہونا باطل ہے۔

(۴) اگر حکم امام کی تعمیل میں حکم نبی سے حکم امام کی موافقت کا معلوم ہونا شرط ہے تو اس کے لیے سب کا مجتہد ہونا لازم ہے اور استعداد و صلاحیت کے فطری فرق کی بناء پر ہر مکلّف کا مجتہد ہونا محال اور باطل ہے۔

(۵) دونوں حکموں میں موافقت معلوم کرنے کے لیے کسی دوسرے عالم یا مجتہد کی طرف رجوع کرنا اس کو امام پر مقدم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ اب عدم تعمیل حکم دوسرے کے کہنے سے ہوگی یہ امام کی اطاعت کے خلاف ہے جس کی اطاعت سب پر واجب ہے۔ یہ صورت بھی محال اور باطل ہے۔ اس طرح حکم نبی کے خلاف حکم صادر ہونے کی تمام صورتیں محال اور باطل ہیں۔ اس لیے امام کا مجتہد ہونا محال اور باطل ہے۔ امام پر اجتہاد حرام ہے اور اس کا معصوم ہونا واجب ہے۔

امام کی اِطاعت اور اِتباع نبی کی اِطاعت اور اِتباع کے مساوی ہے اور فاتبعونی یحببکم اللہ کی رو سے نبی کی اتباع محبت خدا کی موجب ہے اس لیے امام کی اطاعت اور اتباع بھی محبت خدا کی موجب ضرور ہے۔

گنہگار حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور اِنَّ اللہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ یعنی خدا حد سے تجاوز کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ معلوم ہوا کہ خدا گنہگار کو دوست نہیں رکھتا نہ خدا گنہگار کی پیروی کو دوست رکھتا اور پسند کرتا ہے۔ اس لیے غیر معصوم امام نہیں ہوسکتا۔ امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

امام کی اطاعت واجب کرنے کی غرض اصلاح معاشرہ ہے اس لیے امام یقیناً مصلح ہے اولی الامر میں اولی ذا کی جمع اور امر کی طرف مضاف اور

جمع مضاف عموم کے لیے ہے یعنی ہر امام مصلح ہے اور غیر معصوم کا مصلح نہ ہونا ممکن ہے۔ اس لیے امام غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

امام کی اطاعت نبی کی اطاعت کے مساوی ہے اس لیے امام نبی کا قائم مقام ہے خدا نے اطیعوا کی تکرار کر کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو خدا کے اطاعت کے تابع قرار دیا۔ پھر اولی الامر کو رسول پر عطف کر کے دونوں کی اطاعت کو ایک قرار دیا۔ اس لیے نبوت و خاتمیت کے مرتبہ اور وحی کے سوا جو کرامتیں اور بزرگیاں نبی کے لیے ہیں وہ سب امام کے لیے بھی لازم ہیں۔ ان کرامتوں میں ہدایت کا منصب اور عصمت کی صفت بھی ہے۔ ہدایت امام کا فرض ہے اور اس کے لیے عصمت واجب ہے اس لیے امام کا معصوم ہونا واجب ہے۔

باہمی تنازع کی صورت میں معاملہ کو خدا اور رسول پر چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو سپرد کرو۔ اگر خدا کا حکم واضح اور کافی ہوتا تو رسول کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت عبث اور فعل عبث خدا کے لیے محال ہے اس لئے عملاً تو یہی ممکن ہے کہ معاملہ رسول کے سپرد ہو لیکن رسول خدا کا قائم مقام ہے اس لیے اس کا فیصلہ خدا کا فیصلہ بھی ہے۔ اس طرح رسول کے امر و نہی اور خیر سے تنازعہ ختم اور معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اولی الامر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے مساوی ہے۔ اس لیے اولی الامر خدا اور رسول دونوں کا قائم مقام ہے اور اس کا فیصلہ خدا اور رسول ہی کا فیصلہ ہے اور اس کے امر و نہی اور خیر سے یعنی تنازعہ ختم اور معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اسی صورت ممکن ہے کہ قائم مقام معصوم ہو تا کہ اس کا فیصلہ رسول کا فیصلہ اور رسول کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہو۔

اپنا فیصلہ اولی الامر کو پیش کرو

قولہ تعالیٰ: وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا. (۸۳/۴)

اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اپنے صاحبانِ امر کے سامنے پیش کر دیتے تو بات کی تہہ تک پہنچنے والے لوگ اصلیت کو سمجھ جاتے اور خدا کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو چند افراد کے سوا یقیناً تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔

اس آیت سے امام کی چند خصلتیں ثابت ہیں، اوّل امام احکام کو جانتا ہے، ظن اور اجتہاد سے احکام کو حاصل نہیں کرتا دوسرے امام کا قول شرعی حکم کے لیے مبداء اور ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے تیسرے امام سے سہو ونسیان اور غلطی ممکن نہیں ہے ورنہ مکلف کو اس کے قول سے اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ یہ خصلتیں امام معصوم ہی میں پائی جاتی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ امام ہمیشہ معصوم ہی ہو۔

آیت سے اولی الامر کا وجود ثابت ہے اور رسول کی طرح وہ بھی خدا کا فضل ہے اور اس کی رحمت ہے جس کا ہونا لازم ہے۔ اب اگر وہ غیر معصوم ہے تو اس کے حکم کی تعمیل میں گرفتار معصیت ہونے کا دھڑکا لگا رہے گا۔ اس خوف کا دفع کرنا واجب ہے یعنی اس کو امام نہ بنانا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر معصوم امام نہیں ہوسکتا امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

معاملات اور مسائل کو حل کرنے کے لیے نبی اور امام کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ یعنی حل مسائل کے لیے نبی اور امام کو مرجعیت حاصل ہے اس

مرجعیت کی چند شکلیں ہیں۔ رسول اور اولی الامر مجموعی حیثیت سے مرجع ہیں تو رسول کی موجودگی میں اولی الامر کی حاجت ہی کیا ہوگی یہ صورت باطل ہے۔ رسول انفرادی حیثیت سے مرجع ہے لیکن اس کا قول صاحب امر کے قول کے ساتھ مشروط ہے تو رسول کے قول کے ساتھ کسی قول کی کیا اہمیت وضرورت رہ جاتی ہے یہ صورت بھی باطل ہے۔ امام انفرادی حیثیت سے مرجع ہے لیکن اس کا قول نبی کے قول کے ساتھ مشروط ہے تو نص رسول کے ہوتے ہوئے امام کے قول کی کیا ضرورت ہے۔ یہ صورت بھی باطل ہے۔ ہر ایک کا قول تنہا انفرادی حیثیت سے حجت ہے اور اس لیے کسی دوسرے فرد کے قول کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ اس صورت میں اولی الامر کو معاملات اور مسائل کے حل کرنے کے لیے رسول کے برابر مقام حاصل ہے یعنی امام کا قول نبی کے قول کے اور امام کا فعل نبی کی فعل کے مساوی ہے۔ اس لیے زمانہ رسول کے بعد امام کے علاوہ ساری اُمت کو امام کی اطاعت اور اِتباع واجب ہے اس کے لیے امام کا معصوم ہونا واجب ہے۔ غیر معصوم ہونے کی صورت میں امام جائز الخطا ہوگا اور جس طرح کسی حکم میں اس کا خطا کرنا ممکن ہے اس طرح اسی حکم میں اُمت میں سے کسی فرد کا درست ہونا بھی ممکن ہے۔

مگر چوں کہ خطا کار امام ہے، اس لیے اُمت کی صاحب الرائے فرد کے لیے واجب ہے کہ صواب یعنی اپنے درست حکم کو ترک کر کے خطا یعنی امام کے غلط حکم کی طرف رجوع کرے یعنی درست حکم والے کو غلط حکم والے کی پیروی واجب ہے۔ یہ نتیجہ باطل اور مہمل ہے اس لیے بنیادی مفروضہ یعنی امام کا غیر معصوم ہونا بھی باطل اور مہمل ہے امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

لا اکراہ فی الدین ۔ جو ہدایت پر توجہ دیتا ہے اور اسے قبول کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کرتا ہے تو خدا کی توفیق بھی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اب امام ہادی ہوتا ہے اور ہادی کا مہتدی ہونا لازم ہے ورنہ ہدایت کیا کرے گا۔ اس لیے امام مہتدی ضروری ہوتا ہے اور مہتدی وہی ہوتا ہے جس کی خدا ہدایت کرتا ہے۔ اس لیے امام کی خدا ہدایت کرتا ہے اور آیت کی رو سے کسی فاسق کی خدا ہدایت نہیں کرتا اس لیے امام فاسق نہیں ہوتا اور غیر معصوم کا فاسق ہونا ممکن ہے اس لیے امام غیر معصوم نہیں ہوتا امام معصوم ہی ہوتا ہے۔

رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ

قولہ تعالیٰ: وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۲۱/۱۰۷)

ہم نے تم کو ساری کائنات کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

پیغمبر کا وجود کائنات کے لیے رحمت ہونے میں منحصر ہے۔ پس پیغمبر کے بعد ان کا قائم یعنی امام مقرر کرنا بھی لطف اور رحمت ہے بلکہ لطف و رحمت ہونے کی حیثیت سے تمام واجبات و مندوبات و مکروہات کے بیان کے مقابلے میں یہ اہم ترین لطف و رحمت ہے۔ پس پیغمبر کا اس کو چھوڑ دینا اور کچھ بیان نہ کرنا منافی رحمت ہے۔ امام کو مقرر کرنا مکلفین کو اس کی اطاعت کا حکم دینا اور اس کی نافرمانی سے ڈرانا پیغمبر پر واجب ہے اور چوں کہ امام کا حکم نبی کے حکم کا قائم مقام ہے اس لیے امام تمام اُمت سے افضل ہے اور چوں کہ ساری اُمت کے امر و نہی و ترک و تقریر کو شخص واحد و غیر معصوم کے سپرد کرنا منافی رحمت ہے اس لیے امام کا معصوم ہونا واجب ہے۔ (نمبر ۷۳۳)

یہ آیت اُمت پر رحمت کے سلسلے میں خدا کے اہتمام کی شدت پر دلالت کرتی ہے اور معصوم امام مقرر نہ کرنا اس غرض کے مخالف ہے۔ اس لیے معصوم امام مقرر نہ کرنا خدائے حکیم وقدیر کے لیے محال ہے اس لیے معصوم امام کا مقرر کرنا خدا پر واجب ہے۔

خدا نے نبی کے ذریعہ جو کچھ بھیجا امام ان سب میں نبی کا قائم مقام ہے اگر وہ غیر معصوم ہوگا تو اس غرض کے منافی ہوگا۔ اس آیت کے رو سے نبی عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ اس لیے نبی عالمین سے افضل ہیں اور عالمین میں ملائکہ شامل ہیں اس لیے نبی ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس پر اتفاق ہے کہ آیہ مباہلہ میں انفسنا سے مراد علی ہیں۔ تو علی نفسِ نبی ہیں اور اس لیے نبی کی طرح ملائکہ سے افضل۔ ملائکہ معصوم ہیں اور معصوم سے افضل یقیناً معصوم ہے اس لیے علی یقیناً معصوم ہیں۔

خدا نے چند صفتوں کے ساتھ ملائکہ کی مدح وتوصیف کی ہے، **لا علم لنا الا ما علمتنا** یعنی ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جو تو نے ہم کو تعلیم کیا ہے یعنی فرشتوں کا علم نص پر مبنی اور اس لیے یقینی ہے۔ اس میں ظن اور گمان کا گزر نہیں ہے۔ **لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون** یعنی وہ بات کرنے میں خدا پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں یعنی فرشتے بات کرنے میں۔ خدا کے قول اور عمل کرنے میں خدا کے حکم کی پیروی کرتے ہیں، یہ سب عصمت کی صفتیں ہیں اور فرشتے معصوم ہیں اور پچھلی دلیل میں بیان کیا گیا کہ علیؑ فرشتوں سے افضل ہیں اور معصوم سے افضل یقیناً معصوم ہے اس لیے علیؑ ضرور معصوم ہیں اور کل امام معصوم ہیں۔

امام مقرر ہونے پر دین کامل ہوا

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تا قیام قیامت باقی رہنے والی ہے اور کوئی شریعت بغیر حفاظت باقی نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا من جانب اللہ شریعت محمدیہ کے لیے محافظ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس محافظ شریعت میں وہی شرائط معتبر ہیں جو مبلغ شریعت یعنی نبی میں معتبر ہیں۔ مبلغ شریعت و محافظ شریعت میں اتنا فرق ہے کہ مبلغ شریعت پر وحی نازل ہوتی ہے اور محافظ شریعت پر وحی نازل نہیں ہوتی بلکہ یہاں الہام قائم مقام وحی ہوتا ہے۔ دین کا کمال ہی محافظ شریعت کے تعین کے بعد ہوا ہے۔ ختم نبوت پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل نہیں ہوا۔ بلکہ غدیر خم کے میدان میں جب حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم پروردگارِ عالم امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ہاتھوں پر بلند فرما کر ارشاد فرمایا کہ من کنت مولاہ فھذا علی" مولاہ. تو جبرائیل امین درج بالا آیت لے کر نازل ہوئے۔

(الآیة) وھی الروایة الصّحیحة.

الثابتة الصریحة و کان نزولھا بغدیر خم.

علامہ برہان الدین حلبی شافعیؒ نے اپنی کتاب سیرۃ حلبیہ کی تیسری جلد میں لکھا ہے

اَلیوم الکملت لکم دینکم.

آیة الیوم اَکملت لَکُمْ دِیْنَکُم میں الیوم سے مراد اٹھارویں ذی الحجہ

ہے۔ جس کو شیعوں نے عید کا دن قرار دیا ہے۔ وھو الثامن عشر من ذی الحجة اتخذته الروافض عیداً۔

اِس محافظ شریعت کو چھوڑنے کے سبب سے ملت اسلامیہ تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ملت اسلامیہ کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ قرآن مجید نہ محافظ شریعت ہے اور نہ ہدایت کے لیے کافی ہے کیوں کہ ملت اسلامیہ کے تہتر کے تہتر فرقے قرآن مجید سے متمسک ہیں۔ واقعہ غدیر خم کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

امام کے لیے اللہ یا رسول یا امام سابق کی نص ہو

تیسرا مبحث امام کے منصوص ہونے کے بیان میں۔ امام کے لیے ضروری ہے کہ منصوص علیہ ہو کیوں کہ عصمت اُن اُمور باطنیہ میں سے ہے۔ جس پر اللہ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ پس امام کے لیے ضروری ہے کہ جو ہستی اس کی عصمت کا علم رکھتی ہے اس کی طرف سے منصوص و معین ہو یا اس کے ہاتھوں ہر معجزہ ظاہر ہو۔ جو اس کے صدق پر دلالت کرے۔

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ اور رسول اور امام سابق کی نص تعیین امام کا مستقل سبب ہے۔ اختلاف اس بارے میں کہ اللہ ورسول وامام سابق کی نص کے علاوہ تعیین امام کا کوئی اور طریقہ ہے یا نہیں۔ علمائے امامیہ اثناء عشریہ کے نزدیک تعیین امام کا طریقہ صرف نص مذکور ہے۔ نص مذکور کے علاوہ تعیین امام کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عصمت شرط

امامت ہے اور عصمت وہ امر خفی ہے جس پر اللہ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ پس اللہ کے خبر دیئے بغیر کسی شخص کی عصمت کا علم نہیں ہو سکتا۔ کسی شخص کی عصمت کے متعلق اللہ کا خبر دینا دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

پہلا طریقہ:

یہ ہے کہ اللہ اس کی عصمت سے کسی معصوم مثلاً نبی کو مطلع فرما دے اور اس امام پر نص فرما دے اور اس کو معین فرما دے۔

دوسرا طریقہ:

یہ ہے کہ اللہ امام کے ہاتھوں پر معجزہ کو ظاہر فرما دے جو دعوائے امامت میں اس کے صدق پر دلالت کرے۔

اہلِ سنّت کے نزدیک نص مذکورہ کے علاوہ بھی تعیین امام ہو سکتی ہے۔ وہ اس طریقہ سے اگر اُمت کسی ایسے شخص کی بیعت کرے جو اُمت کے نزدیک امامت کی استعداد رکھتا ہو اور اپنے رُعب و دبدبہ سے خطہ ہائے اسلامیہ پر غالب آجائے۔

فرقہ زیدیہ (جو زید شہید کی امامت کا قائل ہے) کے نزدیک ہر وہ فاطمی سیّد امام ہو سکتا ہے جو علم و ہنر رکھتا ہو تلوار لے کر میدان میں آجائے اور دعوائے امامت کرے۔ یہ دونوں مسلک دو دلیلوں سے باطل ہیں۔

پہلی دلیل: امامت اللہ و رسول کی نیابت کا نام ہے جو اللہ و رسول کے قول ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کسی تیسرے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

دوسری دلیل: بیعت اور دعوئ امامت کے ذریعہ امامت کا حصول فتنہ و فساد کی

طرف مؤدی ہوگا۔ اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں اس امر کا احتمال ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر گروہ علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص کی بیعت کرے اور ہر وہ فاطمی سیّد جو عالم و زاہد ہو دعوائے امامت کر بیٹھے پس ان دونوں صورتوں میں جنگ وجدل کا واقع ہونا یقینی ہے جو فتنہ وفساد کا سبب قرار پائے گا۔

امام کو افضل رعیت ہونا چاہیے

امام کے افضل رعیت ہونے پر وہی دلیل ہے جو نبوت کے بیان میں ہے یعنی اگر افضل نہ ہوگا تو اطاعت تامہ حاصل نہ ہوگی۔ جس کی وجہ سے فائدہ نصب امام ختم ہو جائے گا۔

امام کے لیے ضروری ہے کہ افضل اہلِ زمانہ ہو اس لیے کہ اُس کو سب پر تقدم حاصل ہے۔ پس اگر اُمت میں کوئی شخص اُس سے افضل ہوگا تو تقدیم مفضول علی الفاضل لازم آئے گی جو عقلاً قبیح ہے جس کا بیان نبوت کی بحث میں ذکر کیا جاتا ہے۔

امام چوں کہ نبی کا قائم مقام ہوتا ہے پس جو غرض بعثت نبی کی ہے وہ غرض نصبِ امام کی ہے۔ بعثت نبی کی غرض کے متعلق سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنَ الرَّسُوْلِ — ہم نے کسی رسول کو مبعوث نہیں کیا لیکن صرف

اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ. — اس لیے کہ باذن اللہ اس کی اطاعت کی جائے۔

غرض بعثت نبی کا انحصار فرما دیا گیا ہے کہ بعثت نبی کی غرض صرف یہ ہے کہ اُمت اس کی اطاعت کرے۔ پس یہی غرض نصبِ امام کی ہے۔ لہٰذا امام کو مثلِ نبی تمام کمالات میں اُمت سے افضل ہونا چاہیے اور اُن امور سے منزہ ہونا چاہیے جو

منافی اطاعت ہیں۔ چوں کہ امام کو آباؑ واجداد و اُمہات کے لحاظ سے بھی تمام اُمت سے افضل ہونا چاہیے۔

حضرت ابو طالبؑ مومن تھے

حضرت ابو طالبؑ کے متعلق اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہیے جو مسلمانوں کو اُن کے متعلق ہوئی کہ معاذ اللہ بحالت کفر انتقال فرمایا۔ مسلمان کو یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ نے امر ابو طالب علیہ السلام کو مبہم رکھا جیسا کہ مفتی سادات شافعیہ السیّد احمد زینی مشہور بہ حلان اپنی کتاب سیرۃ نبویہ، جلد اوّل پر حاشیہ سیرۃ حلبیہ مطبوعہ ۱۹۳۲ء کی صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں:

شیخ سحیمی نے شرح جوھرۃ التوحید کی شرح میں امام شعرانی و امام سبکی اور ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث یعنی ابنِ عباس کی حدیث (در بارہ ایمان ابو طالب) بعض علمائے متصوفین کے نزدیک ثابت ہے اور جناب ابو طالب کا ایمان ان کے نزدیک محقق ہے اور یہ بھی محقق ہے کہ باری تعالیٰ نے ظاہر شریعت کے اعتبار سے جناب ابو طالب کے امر کو ان صحابہ کی دل جوئی کے لئے جن کے آباؑ واجداد کافر تھے مبہم رکھا اس لئے کہ اگر صحابہ سے ابو طالب کی نجات کی تصریح کر دی جاتی باوجودیکہ صحابہ کے آباؑ واجداد کفر اور ان کے معذب ہونے کی تصریح تھی تو ان صحابہ کے قلوب اسلام سے متنفر ہو جاتے اور ان کے سینوں میں خشم و کینہ کی آگ بھڑک اُٹھتی جس کی نظیر اس شخص کی حدیث میں گزر چکی جس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا تھا کہ اس کا باپ کہاں ہے و نیز اگر کفار قریش پر آپ کا اسلام ظاہر ہو جاتا تو یہ لوگ آپ سے بھی

دشمنی رکھتے اور رسولِ خداؐ کے ساتھ آپ سے بھی جنگ کرتے۔ اس صورت میں جناب ابوطالبؑ حضرت ختمی مرتبت صلعم کی حمایت اور ان سے دشمنوں کو دفع پر قادر نہ ہوتے اس لیے کہ اللہ نے حضرت ابوطالبؑ کا ظاہری حال صحابہ کے آباؑ کی طرح رکھا اور حقیقت میں ناجی قرار دیا اور وجہ نجات آپ کی یہ ہے کہ آپ نے جناب ختمی مرتبت (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی نصرت وحمایت اور آپ کے دشمنوں کی مداخلت بہت زیادہ فرمائی ہے جو بغیر اسلام ممکن نہیں۔

یہی خواہان خلفائے بنی اُمیہ کی غلط کدہ کاوش کا نتیجہ تھا کہ ابوطالبؑ جیسے کامل ایمان کے لیے وہ حدیث وضع کی گئی جس سے حضرت ابوطالبؑ کا ایمان ثابت نہ ہو سکے لیکن دروغ گورا حافظہ نباشد کی بنا پر حدیث خود اپنے موضوع ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ راویوں کے ضعف سے ہم بحث کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف نفسِ حدیث کے الفاظ ناظرین کرام کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

سیرۃ حلبیہ وسیرۃ نبویہ برحاشیہ حلبیہ جلد اوّل صفحہ ۸۶ میں ہے:

قال النبی صلعم یا عم تامرھم بالنصیحة و تدع لِنفسک قال فما ترید یاابن اخی قال ارید ان تقول لا الٰہ الا اللہ اشھدلک بھا عنداللہ.	جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا کہ اے چچا آپ مشرکین کو ایمان کی نصیحت فرما رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ نے کہا بھتیجے تم کیا چاہتے ہو جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں تا کہ میں اللہ کے سامنے موحد ہونے کی گواہی دے سکوں۔

صاحبانِ عقول پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ موحد کو توحید کی طرف دعوت دینا تحصیل

حاصل ہے۔ جناب ابو طالبؑ حضرت ختمی مرتبتؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے قبل ہی موحد تھے۔ جس کے ثبوت میں ہم حضرت ابو طالبؑ کا وہ خطبہ نقل کرتے ہیں۔ جو آپ نے عقد جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے موقع پر آپ کے مبعوث برسالت ہونے سے پندرہ سال قبل فرمایا تھا۔ حضرت ابو طالب کا یہ خطبہ ان تمام تواریخ اسلامیہ میں موجود ہے۔ جن میں جناب خدیجہ علیہا السلام کے ساتھ جناب ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عقد کا تذکرہ ہے۔

ہم یہ خطبہ اسلام کے متعصب ترین مورخ محمد خضری کی کتاب نور الیقین کے صفحہ ۲۲ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: حضرت ابو طالب نے عقد جناب رسالت مآب صلعم کے دن خطبہ ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفوں کا مستحق وہ خدا ہے جس نے ہمیں ذرّیت ابراہیم ونسل اسماعیل وقبیلہ معد اور اس کی شاخ مضر سے قرار دیا اور جس نے ہم کو اپنے گھر خانہ کعبہ کا محافظ اور حرم کا قائد بنایا اور جس نے خانہ کعبہ کو ہمارے لیے بیت محجوج (جس کا حج کیا جاتا ہے) اور پُر امن قرار دیا اور جس نے ہم کو تمام انسانوں کا حاکم قرار دیا۔ حمد باری تعالیٰ کے بعد تم پر واضح ہو کہ میرا بھتیجا محمدؐ ابن عبداللہ کہ شرفِ بزرگی وفضل میں کوئی شخص جن کا ہم پلہ نہیں ہے اگرچہ مال کے لحاظ سے کم ہے اور مال تو ایک زائل ہو جانے والے سایہ اور گزر جانے والے امر کی مثل ہے۔ جس کو ثبات ودوام نہیں ہے اور مال اللہ کی رعایت دادہ شے ہے جس کو اللہ نے بطور امانت لوگوں کے سپرد فرمایا ہے اور خدا کی قسم محمدؐ جو عنقریب نباء عظیم (اسی نباء سے نبی مشتق ہے) اور امر جلیل کا مالک ہو گا تمہاری محترمہ بی بی خدیجہ کے ساتھ عقد کا خواہش مند ہے اور دین مہر جو تم معین کرو گے اس کو میں ادا کر دوں گا۔

اس خطبہ کو دیکھنے کے بعد کون شخص جناب ابوطالبؑ کے موحّد ہونے کا انکار کرسکتا ہے بلکہ اس خطبہ سے تو یہی ثابت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مبعوث برسالت ہونے کے پندرہ سال قبل آپ کی نبوت پر بھی اپنے ایمان کا اظہار فرمایا تھا۔ خدا کی قسم کھا کر یہ فرمایا کہ **لہ نباء عظیم و خطر جلیل.** کیا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ابوطالبؑ کو رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت پر یقین کامل تھا۔ یقین ہی کا نام ایمان ہے۔ اہلِ انصاب جناب ابوطالب کے اس خطبہ کو سامنے رکھ کر اس حدیث کا جائزہ لیں جس میں جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو **لا الٰہ الا اللہ** کے اقرار کی دعوت دی ہے اور جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب نے بحالت کفر انتقال فرمایا۔ **العیاذ باللہ. من ھذا العقیدۃ الفاسدۃ.**

نیز علمائے اسلام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جناب ابوطالبؑ اپنے آبأ واجداد کے دین پر تھے۔ اہلِ اسلام کے آئمہ محققین کے نزدیک جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آبأ واجداد میں کوئی کافر ومشرک نہ تھا بلکہ تمام کے تمام موحد و مومن تھے جیسا کہ صاحب سیرت نبویہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۱ پر امام فخر الدین رازی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھر من الی ارحام الطاھرات قال اللہ تعالٰی ان مَا المشر کون نجس	جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میں برابر طاہرین کے اصلاب سے طاہرات کے ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مشرکین

...... احد من اجداده مشرکا وقد ارتضی کلام هذا ائمّة محققون. الخ

نجس ہیں پس واجب وضروری ہے کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اجداد میں کوئی مشرک نہ ہو (اور جدات میں کوئی مشترکہ نہ ہو) امام فخر الدین رازی کے کلام کو ائمہ محققین نے پسند فرمایا ہے۔

پس ائمہ محققین اہلِ سنّت کے نزدیک جناب عبدالمطلب موحد ومومن اور جناب عبداللہ کی والدہ موحدہ ومومنہ تھیں اور جناب عبدالمطلب ابوطالب کے والد اور حضرت عبداللہ کی والدہ جناب ابوطالب کی والدہ تھیں۔

جناب حضرت عبداللہ کے تمام بھائی سوائے جناب ابوطالب کے مختلف البطن تھے۔ صرف حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب ایک بطن سے تھے ملاحظہ ہو سیرۃ نبویہ برحاشیہ سیرۃ حلبیہ جلد اوّل، صفحہ ۳۳

ولمّا اراد الله انتقال النور من جدّه عبدالمطلب تزوّج فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخذوم فولدت اباطالب و عبدالله والد النبی صلی الله علیه وآلهٖ وسلّم.

اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبدالمطب سے آپ کے نور کے منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا تو عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم کے ساتھ شادی کی اور فاطمہ مذکورہ سے ابوطالب اور عبداللہ پدر بزرگوار جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پیدا ہوئے۔

پس جناب ابوطالب کے والدِ ماجد حضرت عبدالمطلب موحد ومومن تھے اور آپ

کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بھی موحدہ ومومنہ تھیں۔ انہی کے دین پر حضرت ابوطالب تھے تا ایں کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مبعوث برسالت ہوئے۔ اس لیے کہ آپ کی امامت پر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نص متواتر ہے اور اس لئے بھی کہ آپ افضل زمانہ ہیں۔ اس لئے کہ آپ کو آیۂ مباہلہ میں خداوندِ عالم نے نفسِ نبی قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آپ مساوی رسول قرار پائے اور رسول افضل اہلِ زمانہ تھے۔ پس افضل کا مساوی بھی افضل ہوگا اور اس لیے بھی کہ مباہلہ میں جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو آپ کی احتیاج ہوئی اور اس لیے بھی کہ امام کو معصوم ہونا چاہیے اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ جن لوگوں کے لئے دعوائے امامت کیا گیا ہے، باالتفاق مسلمین معصوم نہیں ہیں۔ آپ چوں کہ معصوم ہیں لہٰذا آپ ہی امامت کے لیے معین ہیں اور اس لیے بھی کہ آپ اعلم اہل زمانہ تھے کیوں کہ تمام صحابہ نے اپنے اپنے وقایع میں آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے کسی واقعہ میں کسی صحابی کی طرف رجوع نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ صرف آپ ہی کے لیے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ **اقضاکم علی** یعنی علی علیہ السلام تم میں سب سے زیادہ فیصلہ کرنے والے ہیں اور قضا (فیصلہ) بغیر علم ممکن نہیں۔

اور اس لیے بھی کہ آپ سب سے زیادہ زاہد تھے یہاں تک کہ دنیا کو تین مرتبہ طلاق دی۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد تعین امام کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد امام

آپ کے چچا عباس ابن مطلب ہیں کیوں کہ چچا ہونے کے لحاظ سے آپ میراثِ رسولؐ پانے کے زیادہ مستحق تھے۔ جمہور مسلمین کے نزدیک جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد ابوبکر ابن ابی قحافہ امام ہیں کیوں کہ لوگوں نے بیعت کرلی تھی۔

پہلے امام حضرت علیؑ ہیں

فرقہ شیعہ اس امر کا قائل ہے کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد امام وخلیفہ بلافصل جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں کیوں کہ آپ کی امامت پر اللہ ورسول کی جانب سے نص متواتر ہے اور یہی مسلک حق ہے اس مسلک کی حقانیت پر چند استدلال پیشِ خدمت ہیں:

پہلا استدلال

جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بہ نقل متواتر حضرت ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے یہ اقوال فرقہ شیعہ میں موجود ہیں:

سلموا علیہ یا امیر المؤمنین وانت خلیفۃ بعدی. — علی علیہ السلام کو یا امیرالمومنین کہہ کر سلام کرو اور اے علی! تم میرے بعد خلیفہ ہو اور اے علی! تم ہر مومن ومومنہ کے حاکم ہو۔

ان اقوال کے علاوہ اور احادیث ہیں جو آپ کی امامت پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ پس جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد آپ ہی امام و

خلیفہ بلافصل ہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

دوسرا استدلال

جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل الناس ہیں پس آپ ہی امام ہیں ورنہ تقدیم مفضول علی الفاضل لازم آئے گی جو عقلاً وشرعاً قبیح ہے۔آپ کے افضل الناس ہونے پر دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل: آپ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مساوی ہیں اور نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم افضل الناس ہیں۔لہٰذا آپ بھی افضل الناس ہیں۔اگر افضل الناس نہ ہوں گے تو مساوات نہ رہے گی۔نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے آپ کی مساوات آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے کیوں کہ شیعہ واہلِ سنّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آیۂ مباہلہ میں اَنْفُسَنَا سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔اَنْفُسَنَا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ نفسِ علیؑ نفسِ نبیؐ ہے ورنہ دو چیزوں کا اتحاد لازم آئے گا جو محال ہے۔پس اَنْفُسَنَا کا مقصد جب یہ نہ ہوا کہ نفسِ علیؑ نفسِ نبیؐ ہے تو اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہوسکتا کہ علیؑ مثلِ نبیؐ ومساوی نبیؐ ہیں۔مثلاً عموماً کہا جاتا ہے کہ زید الاسد (زید شیر ہے) جس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ زید شیر ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ زید شجاعت میں مثل شیر کے ہے۔اسی طریقہ سے علی علیہ السلام پر نفسِ نبیؐ کا اطلاق ہوا ہے یعنی علیؑ صفات وکمالات میں نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مثل ہیں اور جب نبی سے مساوات ثابت ہوگئی تو افضل الناس ہونا بھی ثابت ہوگیا اور یہی ہمارا مقصد ہے۔

دوسری دلیل: نصاریٰ نجران سے مباہلہ کے موقع پر جناب رسالت مآب

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کسی صحابی وقرابت دار کی احتیاج نہیں ہوئی۔

نصاریٰ نجران کو بددُعا فرمانے کے موقع پر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم باتفاق مسلمین صحابہ وقرابت داروں میں سے کسی شخص کو سوائے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اپنے ہمراہ نہیں لے گئے۔ پس جس شخص کی طرف جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مباہلہ میں محتاج ہوئے وہ ان لوگوں سے افضل ہے جن کی طرف جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو احتیاج نہیں ہوئی خصوصاً ایسے وقایع میں جو بیت نبوت کے ستون و بنیادیں ہیں۔

تیسرا استدلال

امام کا معصوم ہونا ضروری ہے اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ جن لوگوں کے لیے دعوائے امامت کیا گیا غیر معصوم ہیں پس حضرت علی علیہ السلام کا غیر امام نہیں ہوسکتا۔

امام کے لیے عصمت کی شرط کا بیان گزر چکا۔ غیر حضرت علی علیہ السلام یعنی عباس ابن عبدالمطلب اور ابوبکر بن ابی قحافہ جن کے لئے ادعائے امامت کیا گیا ہے باجماع مسلمین غیر معصوم ہیں پس حضرت علی علیہ السلام ہی معصوم ہیں اور وہی امام ہیں۔ اگر حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو معصوم نہ مانا جائے گا تو ان دو امروں میں سے ایک امر لازم آئے گا۔ یا عباس ابن عبدالمطلب وابوبکر بن ابی قحافہ میں سے کسی ایک کو معصوم ماننا پڑے گا اور یا امام معصوم سے زمانہ خالی ہو جائے گا اور یہ دونوں امر باطل ہیں۔ پہلی صورت یعنی

عباس وابوبکر میں سے کسی کو معصوم ماننے کی صورت نیں اجماع کی مخالفت لازم آئے گی جو باطل ہے اور دوسری صورت میں زمانہ کا امام معصوم سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ بھی باطل ہے۔

چوتھا استدلال

جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد اعلم اہل زمانہ ہیں۔ پس آپ امامت کے لیے معین ہیں آپ کے اعلم اہل زمانہ ہونے پر چند دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل: شدید الحرص یعنی مبادی سے مطالب تک بغیر توسط حدود پہنچ جاتے تھے۔ شدید الذکاوۃ (ذہانت) اور شدید الحرص علی التعلم رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے علم لینے پر زیادہ حریص تھے اور رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دائمی مصاحبت آپ کو حاصل تھی جو اللہ کے بعد کامل مطلق تھے۔ نیز رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی آپ سے انتہائی محبت تھی اور تعلیم پر انتہائے حرص آپ کے لئے ثابت ہے جب ایسے کامل شاگرد و کامل استاد کا اجماع ہو جائے تو یہ کامل شاگرد جمیع ماعدا سے اس کامل استاد کے بعد اعلم ہوگا اور یہ امر بدیہی ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری دلیل: صحابہ وتابعین کے اکابر علماء اپنے اپنے وقایع میں جو اُن کے لیے رونما ہوتے تھے۔ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے قول پر عمل کرتے تھے اور اپنے اجتہاد سے درگزر کرتے تھے جس کا تذکرہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

تیسری دلیل: جس قدر علوم بطور فن مدوّن و جمع ہوئے ہیں ان علوم کے اصحاب کا مرجع جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

اصحابِ تفسیر کا ماخذ قول ابن عباس ہے اور ابن عباس کا شمار حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے متعلق ابن عباس کا یہ قول موجود ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے ابتدائے شب سے انتہائے شب تک مجھ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. کی تفسیر بیان فرمائی دامنِ سحر چاک ہوا لیکن تفسیر ختم نہ ہوئی۔

اصحابِ علمِ کلام کا مرجع بھی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں کیوں کہ فرقہ معتزلہ ابو علی جبّاتی کی طرف رجوع کرتا ہے اور ابو علی جباتی ابوالقاسم بن محمد حنفیہ کے ذریعے جناب امیرؑ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ابوالحسن اشعری ابوعلی جبّاتی کا شاگرد ہے۔

فرقہ امامیہ کا رجوع حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف ہے۔ اس میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا تو نہج البلاغہ میں آپ کا کلام مبارک اس ثبوت کے لیے کافی ہے جس میں آپ نے مباحث توحید و عدل وقضا وقدر کیفیت تصوف، مراتب حقہ کے مراتب قواعد فن خطابت قوانین فصاحت و بلاغت وغیرہ دیگر فنون کو اس خوش اسلوبی و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ غور وخوض کرنے والے کے لیے کافی و وافی ہے۔ رہا علم فقہ سو اسلام کے تمام فرقوں کے مجتہدین کا آپ کے شاگردوں کی طرف رجوع کرنا مشہور ہے۔ ابواب فقہ میں آپ کے عجیب وغریب فتاویٰ موجود ہیں۔ مثلاً آپ نے اس قسم کھانے والے کے متعلق فیصلہ فرمایا تھا جس نے

قسم کھائی تھی کہ اپنے غلام کو اس وقت تک آزاد نہ کرے گا جب تک کہ اس کے ہم وزن چاندی کو تصدّق نہ کر دے گا۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا قول اقضا کم علی عمّ. تم سب سے بہتر وصحیح فیصلہ کرنے والا علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ قضا و فیصلہ میں علوم کثیرہ کی احتیاج ہوتی ہے۔ پس امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام بقول رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُن تمام علوم کے جامع تھے جن علوم کی قضا و فیصلہ میں ضرورت ہے۔

جناب امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں درج کیا ہے۔

لو ثنیت لی الوسادة	اگر میرے لیے مسندِ خلافت بچھا دی جاتی
فجلست علیها لحکمت	اور میں اُس پر بیٹھتا تو توراۃ کے ماننے
بین اهل التوراة بتوراة	والوں میں اُن کی توراۃ کے موافق اور
هم و بین اهل الانجیل	انجیل والوں میں ان کی انجیل کے مطابق
بانجیلهم و بین اهل	اور اہلِ زبور میں ان کی زبور کے مطابق
الزبور بزبورهم و بین	اور اہلِ اسلام میں ان کے قرآن کے
اهل الفرقان بفرقانهم.	موافق فیصلہ کرتا۔

خدا کی قسم قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت ایسی نہیں ہے جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا کس شے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

خواہ وہ آیت شب میں نازل ہوئی ہو یا روزِ روشن میں اس کا نزول ہوا ہو اور خواہ اس کا نزول میدان میں ہوا ہو یا پہاڑ پر نازل ہوئی ہو۔ آپ کا ارشاد اس امر پر

دلالت کرتا ہے کہ آپ کا علم تمام علوم الٰہیہ پر حاوی تھا اور جب آپ اعلم اہل زمانہ تھے تو آپ ہی اُمت کے لیے معین تھے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

پانچویں دلیل: جب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام حضرت ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد ازہد اہل زمانہ (اہل زمانہ میں سب سے زائد زہد) تھے اور زاہد غیر زاہد سے افضل ہوتا ہے اور افضل کی موجودگی میں مفضول مستحق امامت نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ازہد اہل زمانہ ہونے کا ثبوت آپ کے اس کلام سے بہم پہنچ سکتا ہے جو بیان زہد و مواعظ و اوامر و نواہی و زجر و توبیخ و اعراض عن الدنیا پر مشتمل ہے۔ زہد کی آثار اور آپ کی زندگی کے حالات سے ظاہر ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا کو تین مرتبہ طلاق دی اور دنیا کی لذیذ غذا اور عمدہ لباس سے پرہیز فرماتے رہے اور کسی شخص نے آپ کو کبھی دنیاوی فعل میں مشغول نہیں پایا۔ یہاں تک کہ آپ اپنی غذا جو کی روٹیوں کے ٹکڑوں کی تھیلی پر اپنی مہر لگا دیتے تھے۔ آپ سے مہر ثبت فرمانے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میرا کوئی بچہ اچھی غذا اس میں شامل نہ کردے۔ آپ کا زہد اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ تین روز تک روزہ پر روزہ رکھا۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت پر مسکین و یتیم و اسیر کو مقدم رکھا۔ یہاں تک کہ تین روز مسلسل روزے رکھے اور مسکین اور یتیم و اسیر کو طعام عطا فرمانے پر سورۃ ھَلْ اتی علی الاِنسان نازل ہوئی۔

یہ تمام واقعات آپ کی افضلیت و آپ کی عصمت پر دلالت کرتے ہیں پس آپ ہی امامت کے لیے معین ہیں۔

چھٹی دلیل: ارشادِ باری تعالیٰ:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہُ و رَسُوْلُہ | تمھارا حاکم صرف خدا ہے اور اس کا رسول
والذین یقیمون الصلوٰۃ | اور وہ ایمان والے تمہارے حاکم ہیں کہ جو
ویوتون الزکوٰۃ وھم | نماز کو قائم کرتے رہتے ہیں اور حالت
رَاکِعُوْن. | رکوع میں زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں۔

اس آیت امامت جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام پر استدلال کے لیے چند مقدمات کا ذکر ضروری ہے۔

پہلا مقدمہ: لفظ انّما کلام عرب میں حصر کے لیے استعمال ہوتا ہے چنانچہ عرب کا ایک مشہور شاعر کہتا ہے:

انا الذائد الحامی الدیار و انما یدافع عن
احسابھم انا او مثلی

ترجمہ: میں ہی دفع کرنے والا اور عہد و پیمان کی حمایت کرنے والا ہوں اور میں یا مجھ جیسا ہی حسب ونسب پر ہونے والے حملوں کو دفع کرتا ہے۔

شاعر اس شعر میں اپنی حمایت قبیلہ پر فخر کر رہا ہے اور یہ فخر اُسی وقت درست ہو سکتا ہے کہ جب انّما کو حصر کے لیے قرار دیا جائے۔

دوسرا مقدمہ: آیت مذکورہ میں ولی کے معنی یا اولی بالتصرف یعنی حاکم کے لیے جا سکتے ہیں۔ یا ولی سے مراد ناصر ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ جس قدر معانی ہیں ان میں سے اس مقام پر ان دو معنی کے علاوہ کوئی اور معنی مراد نہیں لیا جا سکتا کہ حاکم و ناصر کے علاوہ کسی معنی کا اطلاق اللہ پر نہیں ہوتا۔ آیت مذکورہ میں ولی سے مراد ناصر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ نصرت اللہ و رسول اور مومنین ہی منحصر نہیں ہے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں کیوں کہ مومنین و

مومنات آپس میں ایک دوسرے کے ناصر ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

المومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض — مومنین والمومنات آپس میں ایک دوسرے کے ناصر ہیں۔

پس یہ امر مسلّم ہے کہ آیت میں ولی سے مراد اولی بالتصرف یعنی حاکم ہے۔

تیسرا مقدمہ: آیت میں اِنَّما وَلِیُّکُمُ میں کم ضمیر مخاطب ہے جو جمع کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کُمْ کی ضمیر کے مخاطب تمام مومنین ہیں کیوں کہ اس آیت سے قبل بلافصل آیہ۔

یـاَ ایهـا الـذین امنو من یَّرتدَّ منکم عَنْ دِینهٖ — اے ایمان والو! تم میں سے جس کا دل چاہے اپنے دین سے پلٹ جائے۔

اس آیت کے بعد انـمـا ولیکم الله ورسولـه ۔پس ضمیر کم کا مرجع ایمان لانے والے ہیں۔

چوتھا مقدمہ: آیہ. انما ولیکم الله و رسوله والذین امنوا الذین یقیمـون الـصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون میں الـذین امنوا سے مراد بعض مومنین ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ہر شخص اپنے نفس کا ولی ہو نیز آیت میں جن صفات کا تذکرہ ہے وہ تمام مومنین میں نہیں پائی جاتی یعنی حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا۔

پانچواں مقدمہ: وَالَّذِینَ اٰمنُو الَّذِینَ یُقِیمُونَ الصَّلٰوةَ وَیُؤتُونَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُونَ. سے مراد ہے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ نقل صحیح کی وجہ سے اور اکثر مفسرین کے شانِ نزول پر اس اتفاق کی وجہ سے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی کہ جب جناب امیرالمومنین علی ابن ابی

طالب علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ نے اس سائل کو حالتِ رکوع میں انگوٹھی عطا فرمائی۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ آپ ہی تمام مومنین میں اولیٰ بالتصرف (حاکم) ہیں تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آپ ہی امام ہیں کیوں کہ امام سے ہماری مراد اولیٰ بالتصرف (حاکم) ہی ہے۔

ساتویں دلیل: حدیث صحیح متواتر میں ہے کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ

یاعلی انت منی بمنزلة	اے علی! تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل
هارون من موسیٰ الّا انه	ہے جو منزلت ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی
لانبی بعدی.	لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نبوت کے علاوہ ان تمام مراتب کو حضرت علی علیہ السلام کے لیئے ثابت فرما رہے ہیں جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھے۔ منجملہ ان مراتب کے ایک مرتبہ ہارون کو یہ بھی حاصل تھا کہ ہارون موسیٰ کے خلیفہ تھے پس یہ مرتبہ خلافت بھی حضرت علی علیہ السلام کے لیے ثابت رہے گا۔ ہارون حیات موسیٰ میں انتقال فرما گئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام بعد وفات سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم زندہ رہے۔ لہٰذا آنخضرت صلعم کی خلافت حضرت علی علیہ السلام کے لیے آنخضرت کی موت کے بعد ثابت رہے گی اس لئے کہ خلافت کے زائل ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: قولِ باری تعالیٰ:

یٰٓا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو
اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ	اور رسول اور صاحبانِ امر کی

اَوُلِی الْاَمْرِ مِنکُم.   اطاعت کرو۔

آیت مذکورہ میں اولی الامر سے مراد یا وہ ہستیاں ہیں جن کی عصمت معلوم ہے اور یا وہ لوگ مراد ہیں جن کی عصمت معلوم نہیں ہے۔ دوسری صورت باطل ہے۔ اس لیے کہ باری تعالیٰ کے لیے عقلاً قبیح ہے کہ غیر معصوم کی اطاعت مطلقہ کا حکم فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ اولیٰ الامر سے مراد معصوم ہستیاں ہیں اور جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ آئمہ علیہم السلام کے علاوہ جن لوگوں کے لیے دعوئے امامت کیا گیا ہے باجماع مسلمین معصوم نہیں ہیں۔ لہٰذا آیت مذکورہ میں اولی الامر سے مراد یہی آئمہ اثناء عشر علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو مستحق امامت قرار دینا عقلاً محال ہے۔ بعینہٖ یہی استدلال

آیة. یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ.

میں جاری ہوتا ہے یعنی صادقین سے مراد یہی آئمہ اثناء عشر علیہم السلام ہیں۔ اس لیے کہ غیر معصوم کی تعیین مطلقہ عقلاً قبیح ہے ورنہ فعل حرام میں بھی تعیین لازم آئے گی جس کا حکم فرمانا اللہ کے لئے محال ہے۔

نویں دلیل: جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوائے امامت فرمایا اور معجزات آپ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے۔ پس آپ امام برحق ہیں کیوں کہ جو شخص دعوائے امامت کرے اور معجزات اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں وہ امام برحق ہے۔

کتب سیر و تواریخ میں آپ کا دعوائے امامت فرمانا مذکور ہے کتب سیر و

تواریخ نے آپ کے اقوال در بارہ شکایت امت مخاصمت خلافت کی ترجمانی و حکایت کی ہے یہاں تک کہ جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اُمت نے آپ کے دامن کو چھوڑ دیا تو آپ گھر میں تشریف فرما ہو گئے اور قرآن کو جمع کرنے میں مشغول ہو گئے لوگوں نے آپ کو بیعت کے لیے طلب کیا تو آپ نے انکار فرمایا اس انکار پر آپ کے دروازہ پر آگ ولکڑیاں لائی گئیں اور جبراً وقہراً آپ کو گھر سے باہر نکالا گیا۔

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شکایت اُمت پر اطلاع کے لیے آپ کے اس خطبہ کو دیکھ لینا کافی ہے جو نھج البلاغة میں موجود ہے اور خطبہ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے۔ رہا آپ کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور سو آپ کے معجزات اس کثرت سے موجود ہیں جن کا احصار ممکن نہیں من جملہ ان معجزات کے ہے۔

بابِ خیبر کو اُکھاڑنا

جس کو ستّر آدمی بند کرتے اور کھولتے تھے منبر کوفہ پر آپ تشریف فرما ہیں ایک اژدہا کا مجمع چیرتے ہوئے آنا اور منبر پر اپنا منہ رکھ کر جناب امیر المومنین علیہ السلام سے ہم کلام ہونا جنگ صفین کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں ایک راہب کے دیر کے قریب آپ کے لشکر کو پیاس کی شکایت ہوئی جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ایک مقام کا پتہ دیا کہ اس کو کھودا جائے وہ مقام کھودا گیا تو ایک پتھر نمودار ہوا تمام لشکر نے اس پتھر کو اس کے مقام سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کوشش ناکام رہی اور پتھر اپنے مقام سے نہ ہٹ

سکا۔ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے تنہا اس پتھر کو اُٹھا کر چند قدم کے فاصلہ پر پھینک دیا۔ پتھر کے نیچے شیریں پانی کا ایک چشمہ نمودار ہوا۔ تمام لشکر سیراب ہوا۔ راہب نے یہ معاملہ دیکھا تو دیر سے نیچے اُترا اور جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ آپ نبی ہیں یا وصی ہیں کیوں کہ اس چشمہ کا علم نبی کو ہو سکتا ہے یا وصی نبی کو۔ یہاں بہت سے راہب اسی انتظار میں مر گئے کہ جو شخص اس چشمہ کا پتہ لگائے اس پر ایمان لائیں۔ میں بھی اسی انتظار میں پڑا ہوا تھا۔

اشھدان لاالہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ و اشھد انک وصی رسول اللہ

وہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر ایمان لایا اور جنگ صفین میں حضرت کے ساتھیوں میں اس کی شہادت واقع ہوئی۔ (شواہد النبوۃ)

مُلّا جامی بہ ذیل معجزات جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام تاریخ روضۃ الاحباب میں رجعت شمس کا معجزہ بھی جنگِ خیبر سے واپسی و جنگِ صفین سے قبل نہر فرات کو عبور کرنے کے موقع پر لکھا ہے۔ پس جو دعوائے امامت کرے اور معجزات کو ظاہر فرمائے وہ دعوائے امامت میں صادق ہے۔

دسویں دلیل: جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے بعد امام پر نص فرمائی یا نہیں فرمائی نص نہ فرمایا دو وجہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ: دین کی تکمیل وحفاظت کے لیے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر واجب تھا کہ اپنے بعد امام پر نص فرمائیں۔ نص نہ فرمانے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

نے واجب کو ترک کیا جو منافی عصمت ہے۔

دوسری وجہ: جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُمت پر اس قدر شفیق اور مہربان اور مصالح اُمت کا خیال رکھنے والے تھے کہ اُن کو مسواک سے لے کر غسل جنابت وغیرہ کے احکام تعلیم فرمائے جو امامت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ایسے شفیق اور مہربان نبی کے لیے محال ہے کہ امامت جیسے مہتم بالشان فریضہ کو نامکمل چھوڑ جائے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حکمت وعصمت کے منافی ہے کہ مکلفین کے لیے کسی ایسے امام کو معین نہ فرمائیں جس کی طرف مکلفین اپنے وقائع میں رجوع کریں اپنی پراگندی وپریشانی کو اس کی وجہ سے دور کریں۔ پس نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے بعد امام پر یقیناً نص فرمائی۔ نص کا ادّعا یا حضرت علی علیہ السلام کے لیے کیا گیا ہے یا حضرت ابو بکر کے لیے، ان دونوں کے علاوہ باجماع مسلمین کسی پر نص نہیں ہے۔ پس امامت کے لیے منصوص من الرّسول یا حضرت علی علیہ السلام ہوں گے یا حضرت ابو بکر۔ حضرت ابو بکر کا منصوص ہونا چند وجوہات سے باطل ہے:

پہلی وجہ: اگر ابو بکر کے لیے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جانب سے امامت پر نص ہوتی تو خلافت کا بذریعہ بیعت طے کرنا گناہ اور قادح امامت وخلافت قرار پائے گا۔

دوسری وجہ: اگر حضرت ابو بکر کے لیے امامت کی نص ہوتی تو خلافت کو بیعت کے ذریعہ طے کرتے وقت یا اس سے قبل یا بعد اس نص کا ذکر ضرور ہوتا لیکن نص کا ذکر نہیں ہوا۔ اب ادّعائے نص بے سود ہے کیوں کہ آپ منصوص نہ تھے۔

تیسری وجہ: اگر حضرت ابوبکر کے لیے نص امامت ہوتی تو ان کا خلافت سے علیحدگی چاہنا گناہ عظیم ہوگا لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے خلافت سے علیحدگی چاہی۔ تاریخوں میں آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں:

اقیلونی فلست	مجھے خلافت سے معاف رکھو کیوں کہ میں تم میں
بخیر کم و علی فیکم	بہتر نہیں ہوں جب کہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔

تاریخ ابن جریر اور معجم کبیر میں حضرت ابوبکر کے یہ الفاظ موجود ہیں:

ترجمہ:- حضرت ابوبکر نے مرتے وقت کہا کہ کاش میں فاطمہ بنت رسول کے
مکان کو نہ کھولتا گو وہ جنگ ہی کے خیال سے کیوں نہ بند کیا گیا ہوتا اور
کاش بروز بیعت سقیفہ میں امر خلافت کو اختیار نہ کرتا بلکہ خلافت کا قلاوہ
حضرت عمر یا ابوعبیدہ جراح کے گلے میں ڈال دیتا۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر منصوص من الرسول نہ تھے۔

چوتھی وجہ: اگر حضرت ابوبکر منصوص من الرسول ہوتے تو اپنے مرتے وقت اپنے مستحق خلافت ہونے میں شک نہ کرتے لیکن مرتے وقت آپ کو استحقاق خلافت میں شک واقع ہوا۔ تاریخوں میں آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں:

قال یا لیتنی کنت سئلت	حضرت ابوبکر نے کہا کہ کاش میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
وآلہٖ وسلم ھل للانصار فی	دریافت کر لیتا کہ خلافت میں انصار کا
ھذا الامر حق	کوئی حق ہے۔

پانچویں وجہ: اگر حضرت ابوبکر منصوص ہوتے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آخری وقت میں ان کو جیش (لشکر) اُسامہ کے ساتھ جانے کا

حکم نہ فرماتے کیوں کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم علیل تھے اور آپ کو خبر مرگ دی جا چکی تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دی جا چکی ہے اور قریب ہے کہ میری روح قبض کر لی جائے کیوں کہ جبریل امینؑ ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید لے کر نازل ہوا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ قرآن لے کر نازل ہوئے۔ پس اگر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد امامت و خلافت حضرت ابوبکر کے لیے ہوتی تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی اس حالت میں حضرت ابوبکر کو اس لشکر سے مستثنیٰ فرما دیتے۔ لیکن رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو مستثنیٰ نہیں فرمایا بلکہ سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کل صحابہ کو لشکر کے ساتھ جانے کا حکم فرمایا اور لشکر سے پیچھے رہ جانے والے پر لعنت فرمائی اور لشکر سے پیچھے رہ جانے والوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

گیارہویں دلیل: حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ جس جس کے لیے ادعائے خلافت و امامت کیا گیا ہے اُن میں خلافت و امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ کفر کے بعد اسلام لانے کی وجہ سے سب کے سب ظالم تھے اور کسی ظالم میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔ جس پر قول باری تعالیٰ

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظَّالِمِین میرا عہد امامت ظالموں تک نہ پہنچے گا۔

شاہد ہے آیت میں عہد خدا سے مراد عہد امامت ہے۔ پس حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی امامت کے لیے معین ہیں، وھو المطلوب

بارہویں دلیل: امامت اُصولِ دین میں داخل ہے اور نبی و امام میں فرق یہ ہے کہ نبی مبلّغ شریعت ہے اور امام محافظ شریعت۔ شریعت چوں کہ من جانب اللہ ہونا ضروری ہے۔ اگر محافظ شریعت من جانب اللہ نہ ہو گا تو شریعت ناقص رہ

جائے گی اور مبلّغ شریعت کے خدمات کالعدم ہو جائیں گے، مثلاً اگر کوئی شخص ایک باغ کے نصب کرنے میں مسلسل ۲۳ سال کوشش کرے اور اس کے بعد اس باغ کو بلا حفاظت چھوڑ دے تو کیا اس شخص کی ۲۳ سالہ کوشش و محنت سودمند ثابت ہوگی۔ اسی وجہ سے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب حج آخری سے واپس ہوتے ہیں اور غدیر خم کے میدان میں پہنچتے ہیں تو جبرئیلؑ امین من جانب اللہ یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وان لم تفعل فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَه واللہ' یَعْصِمُکَ من النَّاسِ (المائدہ)	اے رسولؐ! تمہارے ربّ کی جانب سے جو چیز تم پر نازل ہو چکی ہے۔ اس کو اُمت تک پہنچا دو اور اگر تم نے فعلاً اس کو نہ پہنچایا تو سمجھ لو کہ تم نے کارِ رسالت کو انجام ہی نہیں دیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے والا ہے۔

قریب قریب تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آیۃ مذکورہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ ہم چند کتب کے نام اس مقام پر درج کرتے ہیں جن میں آیت کا نزول بمقام غدیر خم اور آیت کے نزول پر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمانا درج ہے۔

(۱) مستدرک حاکم (۲) کتاب الخصائص محدث نسائی (۳) صواعق محرقہ ابن حجر مکی (۴) روضۃ الاحباب محدث جمال الدین (۵) اسباب النزول واقدی (۶) تفسیر درمنثور سیوطی (۷) تفسیر فتح القدیر علامہ شوکانی (۸) تفسیر فتح البیان علامہ صدیق حسن خاں (۹) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری علامہ عینی (۱۰) تفسیر غرائب القرآن

علامہ نیشاپوری (۱۱) تفسیر حافظ ابن مردویہ (۱۲) حلیۃ الاولیا حافظ ابونعیم (۱۳) مسند امام احمد ابن حنبل (۱۴) سیرۃ الحبیبہ۔ یہ آیت محافظ شریعت کے تعین ہی کے متعلق ہوسکتی ہے۔ محافظ شریعت کے تعین کے علاوہ کوئی اور امر ایسا نہیں ہے کہ جس کی عدم تبلیغ کی وجہ سے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ۲۳ سال کی تبلیغی خدمات ضائع و برباد ہو جائیں۔ البتہ محافظ شریعت کا تعین ہی ایک ایسا امر ہے جس کے عدم تبلیغ کی صورت میں شریعت کا خاتمہ ہو جائے گا اور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تمام وہ خدمات جو تبلیغ شریعت کے متعلق تھیں کالعدم ہو جائیں گی۔ آج جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تبلیغ فعلی پر مامور ہیں۔ اس لیے کہ آیت میں وَاِن لم تفعل ہے یعنی اگر اللہ کی طرف سے نازل شدہ امر کو فعلاً کر کے نہ دکھایا تو کار رسالت کو انجام ہی نہیں دیا۔ غدیر خم کے میدان میں جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو تبلیغ فعلی فرمائی تھی۔ وہ قریب قریب اسلام کی تمام تواریخ اسلامیہ میں موجود ہے پالان ناقہ کا منبر بنایا جاتا ہے۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم منبر پر تشریف لائے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد اسّی ہزار حاجیوں سے اپنے اولیٰ بالتصرف ہونے کا اقرار لیا اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں پر بلند فرما کر ارشاد فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ. جس کا میں حاکم ہوں اس کا علیؑ حاکم ہے۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس ارشاد یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔کے متعلق کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔ یہ امر قریب قریب مسلّم ہے کہ جناب ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اختلاف صرف مولا کے معنی میں ہیں کہ مولا کے معنی اس مقام پر حاکم کے ہیں یا ناصر و چچازاد بھائی وغیرہ

میں سے کوئی معنی مراد ہیں، ہماری تحقیق یہ ہے کہ مولا کے معنی میں اختلاف اصحابِ کرام میں نہ تھا اصحابِ کرام مولا کے معنی حاکم ہی کے سمجھتے تھے چنانچہ تمام کتب تواریخ اسلامیہ میں حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ موجود ہیں جو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو مبارک باد دیتے ہوئے پیش کیے تھے:

بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولای و مولیٰ کلّ مومن و مومنة	اے ابن ابی طالب تم کو مبارک ہو، مبارک ہو تم میرے مولا ہو گئے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔

اہلِ اسلام میں حضرت عمر کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اصحاب سے زیادہ کلامِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کون سمجھنے والا تھا۔ حضرت عمر کی مبارک باد اس امر پر صراحتہً دلالت کر رہی تھی کہ کلام رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) میں مولا کے معنی حاکم ہی کے ہیں اوّلاً اس لیے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ مبارک باد اس شے کے حصول پر پیش کی جاتی ہے جو اس شخص کے شایانِ شان ہو جس کو مبارک باد پیش کی جا رہی ہے۔ اس مقام پر مولا کے جس قدر معانی مراد لیے جا سکتے ہیں ان معانی میں صرف مولا معنی حاکم ہی قابل مبارک باد ہو سکتا ہے۔ دیگر معنی اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر مبارک باد پیش کی جائے۔

ثانیاً۔ اس لیے کہ حضرت عمر نے مبارک بادی و تہنیت کے الفاظ میں (صبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنة) فرمایا ہے۔ حضرت عمر کے اس قول میں مولا کے معنی یا ناصر کے ہو سکتے ہیں یا حاکم و اولی بالتصرف کے مولا بمعنی ناصر مراد لینا اس لیے غلط ہے کہ حضرت عمر عرب تھے۔ الفاظ عربی کے صحیح استعمال میں

کے موقع پر استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

اصبح الغنی فقیرا ۔غنی فقیر ہو گیا۔یعنی پہلے فقیر نہ تھے اب فقیر ہو گیا۔

یااصبح الفقیر غنیاً۔فقیر غنی ہو گیا،یعنی پہلے غنی نہ تھا اب غنی ہو گیا۔

اصبح الغنی غنیاً یا اصبح ۔غنی غنی ہو گیا۔یا

الفقیر فقیرا۔فقیر۔فقیر ہو گیا۔

کہنا غلط ہے۔حضرت عمر کا قول ہے:

اصبحت مولای کلّ مومن و مومنة.

اے علی علیہ السلام تم میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔

کا صریحی مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام آج سے پہلے مولا نہ تھے آج مولا قرار پائے۔حضرت عمر کے اس قول میں اگر مولا کے معنی ناصر کے لیے جائیں گے تو کلام غلط ہو جائے گا۔اس لیے کہ حضرت علی علیہ السلام مومنین و مومنات کے ناصر غدیر خم کے موقع پر قرار نہیں پائے پہلے ہی تمام مومنین و مومنات کے ناصر تھے۔جنگ اُحد و خیبر و خندق کا کون انکار کر سکتا ہے۔کیا ان جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی نصرت ثابت نہیں ہے۔حضرت علی علیہ السلام پر ہی کیا منحصر ہے۔تمام مومنین و مومنات ایک دوسرے کے ناصر ہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ.

مومنین و مومنات بعض بعض کے ناصر ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر کے قول اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنة میں مولا یعنی ناصر مراد لینا غلط اور حضرت عمر جیسے عرب کو الفاظ لغت عرب

عمر کے قول میں مولا بمعنی ناصر مراد نہ ہوا تو صرف ایک یہ معنی رہ جاتے ہیں کہ عمر نے کہا کہ اے علی مبارک ہو، مبارک ہو، آج بتصریح رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تم میرے اور ہر مومن ومومنہ کے حاکم ہو گئے۔

حضرت عمر کے علاوہ دیگر اصحابِ رسول وخود جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بلکہ اللہ کے نزدیک یہی قول جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم من کنت مولاہ فعلّی مولاہ میں مولا بمعنی حاکم واولیٰ بالتصرف مراد ہوا ہے۔

علامہ ثعلبی اپنی تفسیر ثعلبی میں سورۃ معارج کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

ترجمہ:- جب جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غدیر خم میں لوگوں کو آواز دی اور لوگ جمع ہو گئے تو حضورؐ نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ایہا النّاس جس کا میں مولا ہوں اسی کا علی مولا ہے پس یہ خبر شہروں میں شائع ہوئی یہاں تک کہ یہ خبر حارث ابن نعمان الفہری کو پہنچی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ میں آیا اور ناقہ سے اُترا ناقہ کو بٹھایا اور باندھ دیا پھر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں آیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اصحاب کے ایک بڑے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ پس حارث ابن نعمان نے بے باکی سے کہا کہ اے محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ نے اللہ کی طرف سے شہادتین کے اقرار کی دعوت دی ہم نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرلیا آپ نے نمازِ پنج گانہ پڑھنے کا حکم دیا ہم نے یہ حکم قبول کرلیا آپ نے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ آپ

نے خانہ کعبہ کے حج کا حکم دیا ہم نے آپ کا یہ حکم بھی مان لیا پھر آپ اس مقدار پر راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کے شانوں کو پکڑ کر ان کو بلند فرمایا اور ہم سب پر ان کو فضیلت دے دی اور کہہ دیا جس کا میں مولا ہوں اسی کا علیؑ مولا ہے۔ علی کے بارے میں آپ کا یہ قول آپ کی جانب سے ہے یا اللہ کی جانب سے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا وحدہٗ لاشریک له کی قسم میرا قول من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللہ کی جانب سے ہے۔ یہ سنتے ہی حارث پچھلے پاؤں پلٹا اور اپنے ناقہ کا قصد کیا اور یہ کہتا ہوا چلا کہ اے خدا جو کچھ محمد صلعم نے فرمایا ہے اگر وہ حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش فرما یا دردناک عذاب سے مجھے معذب فرما۔ پس حارث اپنے ناقہ تک نہ پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا جو اس کے پائخانہ کے مقام سے نکل گیا اور حارث کو ہلاک کر دیا۔ تب اللہ نے سال سائل الخ نازل فرمایا یعنی ایک سوال کرنے والے نے بلندیوں والے خدا سے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں کے لیے ہے اور جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔

حارث ابن نعمان فہری کا یہ واقعہ اس امر پر صراحۃً دلالت کر رہا ہے۔ اللہ و رسول واصحاب رسول کے نزدیک قول جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں مولیٰ کے معنی حاکم واولیٰ بالتصرف کے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد نہ لیے جائیں گے تو حارث کا قول ہے:

فضلته علینا آپ نے علی علیہ السلام کو ہم سب پر فضیلت دے دی۔

غلط ہو جائے گا۔ حارث کے اس قول سے ثابت ہے کہ حارث مولا کے معنی حاکم ہی کے سمجھتا تھا۔ اگر حارث نے معنی سمجھنے میں غلطی کی تھی تو اصحابِ رسول اس معنی کی تصحیح کر دیتے اور حارث کو سمجھاتے کہ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علی علیہ السلام کو حاکم کب بنانا ہے۔ اصحابِ رسول کا حارث کے سمجھے ہوئے معنی کو تسلیم کر لینے سے کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ اصحابِ رسول کے نزدیک بھی مولا کے معنی حاکم ہی ہیں اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اصحابِ رسول کسی مصلحت سے خاموش رہے ہوں گے تو جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرض تھا کہ اگر آپ کے کلام کو سمجھنے میں حارث نے کوئی غلطی کی تھی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس کی غلط فہمی کو دُور فرما دیتے۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حارث کی غلط فہمی کو دُور نہ فرمانا اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ حارث نے مولیٰ کے معنی سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی بلکہ مولیٰ کے معنی رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نزدیک بھی حاکم ہی کے ہیں۔ اللہ نے حارث پر عذاب نازل فرما کر اس عمل کو محقق فرما دیا کہ اللہ کے نزدیک بھی قول جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں مولا کے معنی حاکم ہی کے ہیں، ایک شاعر نے خوب کہا ہے ؎

عبث در معنی من کنت مولیٰ میروی ہر سو
علی مولیٰ بایں معنی کہ پیغمبر بود مولا

جب دینِ الٰہی کا محافظ مقرر ہو گیا تو آیہ

الیوم اکملت لکم دینکم	آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین
واتممت علیکم نعمتی	کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں
ورضیت لکم الاسلام دیناً	اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

نازل ہوا چنانچہ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر اور حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔

قال کما نزلت ھذہ الایۃ یا ایھا الرسولُ بَلّغْ ما اُنزِلَ اِلَیکَ من رَبّکَ اخذ النبیؐ بید علیؑ فقال من کنت مولاہ فعلی مولا فنزلت الیوم اکملت لکم دینکم انعمت علیکم نِعْمَتی وَرَضیت لکم الاسلام دیناً.

ابوسعید خدری نے کہا جب یہ آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نازل ہوئی تو نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جس جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔ رسولِ خدا صلعم کے یہ فرماتے ہی یہ آیت نازل ہوئی آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کردیں اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

ہر زمانے میں امام ہوگا

یا ایھا الذین امنو اطیعو اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں الذین امنو سے مراد وہ ایمان لانے والے ہیں جو قیامت تک ایمان لائیں گے۔ کسی مخصوص زمانہ کے ایمان لانے والے مراد نہیں ہیں اور اطاعت سے مراد اطاعت حقیقیہ وواقعیہ ہے۔ اطاعت جبریہ مراد نہیں ہے اس

لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ   دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔

ہم گزشتہ بیان میں لکھ آئے ہیں کہ اطاعت واقعیہ وحقیقیہ ناقص کی اطاعت ہے جو کامل کے لیے ہوتی ہے چوں کہ قیامت تک ایمان لانے والوں کو حکم ہے کہ اللہ و رسول و اولی الامر کی اطاعت کریں۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اولی الامر جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے قیامت تک آنے والے مومنوں سے ہر صفت و ہر کمال میں افضل ہیں۔ اگر افضل نہ ہوں گے تو ان کی اطاعت اطاعت واقعیہ نہ ہوگی۔ پس آیت میں اولی الامر سے بادشاہانِ وقت یا امراء جیش وغیرہ کو مراد لینا خلافِ عقل ہے۔ اس لیے کہ بادشاہِ وقت یا امیر جیش (سردار لشکر) کا صفات و کمالات کے لحاظ سے رعایا و لشکر ہی سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔ چہ جائیکہ قیامت تک ایمان لانے والوں سے افضل ہوں۔ اولی الامر سے مراد وہی ہستیاں ہوسکتی ہیں جن کے وہ صفات و کمالات جن کی وجہ سے یہ حضرات مستحق اطاعت قرار پائے ہیں۔ اکتسابیہ نہ ہوں بلکہ مثل رسول ان کے یہ صفات کو کمالات وہبیہ ہوں۔ چوں کہ رسول و اولی الامر کی اطاعت ایک ہی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے رسول و اولی الامر کی اطاعت کے لیے فقط ایک اطیعوا کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس سے دونوں کی اطاعت کی مساوات ثابت ہے۔ اطاعت کی مساوات کا تقاضا ہے کہ رسول و اولی الامر صفات و کمالات میں مساوی ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت میں اولی الامر سے مراد وہ ہستیاں ہیں جو خصوصیاتِ نبوت کے علاوہ تمام کمالات میں رسول کے مساوی ہوں۔ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ مساوات آیہ انفسنا سے ثابت کی جا چکی ہے۔ آیت میں تین اطاعتوں کا حکم فرمایا گیا ہے اور تینوں اطاعتیں ساتھ ساتھ ہوں گی کیوں کہ واو حرف عطف جمع کے لیے ہے۔ پس قیامت تک ہر زمانہ میں اولیٰ الامر میں سے کسی نہ کسی فرد کا وجود ضروری ہے۔ ہر زمانے کے لیے امام ہوگا۔ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا فرض نہیں کیا جا سکتا جس میں اولی الامر میں سے کسی فرد کا وجود نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ مِمَّن خَلَقْنَا اُمَّة يَهْدُوْن بِالحقِ وَبِهِ يَعْدِلُون انصاف	ہماری مخلوق میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں:

وفی الایة دلیل علی انه لا یخلوا زمان من قاتم بالحق یعمل به ویهدی الیه. (تفسیر خازن، جلد دوم، ص ۲۱۳، مطبوعہ مصر)	اِس آیت میں اِس امر پر دلیل ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ایک شخص ایسا ضرور موجود رہے گا کہ جو حق کا قائم کرنے والا حق پر عمل کرنے والا اور حق کی طرف ہدایت کرنے والا ہوگا۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام خلق کے امام ہیں۔ امام حسن کے بعد امام حسین اور اُن کے بعد علی ابن حسین اُن کے بعد محمد بن علی ان کے بعد جعفر ابن محمد اُن کے بعد موسیٰ ابن جعفر ان کے بعد علی بن موسیٰ الرضا ان کے بعد محمد بن علی الجواد اُن کے بعد علی ابن محمد الهادی اُن کے بعد الحسن ابن علی العسکری ان کے بعد محمد ابن الحسن

صاحب الزمان صلوات اللہ وسلام علیہم اجمعین ائمہ برحق ہیں۔ اس لیے کہ امام سابق کی امام لاحق پر نص موجود ہے اور دوسرا اُن سابقہ دلیلوں کی وجہ سے جو امامت جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بیان میں مذکور ہوئیں اُن دلیلوں میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی دلیل: ان حضرات کی امامت پر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جانب سے نصوص وارد ہیں۔ منجملہ ان نصوص کے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا امام حسین علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمانا ہے کہ

ولدی الحسین ھذا امام ابن امام اخو امام ابو ایمّ تسعۃ تاسعھم

یہ میرا بیٹا حسین امام ہے امام کا بیٹا ہے امام کا بھائی ہے نو اماموں کا باپ ہے جن کا نواں قائم ہے اور نو اماموں میں افضل ہے۔

من جملہ ان نصوص کے وہ حدیث ہے جس کے راوی جابر ابن عبداللہ انصاری ہیں۔ جابر نے بیان کیا کہ جب آیہ یٰایھا الذین امنوا اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم نازل ہوا تو میں نے جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو اللہ کی معرفت ہو گئی جس کی وجہ سے ہم نے اللہ کی اطاعت کی آپ کی معرفت بھی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہم نے آپ کی اطاعت کی۔ یارسول اللہ آیت میں اولی الامر سے کن ہستیوں کو مراد لیا گیا ہے۔ جن کی اطاعت کا اللہ نے ہم کو حکم فرمایا ہے۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر یہ اولی الامر میرے جانشین اور میرے بعد اولیائے امر ہیں۔ جن میں سے پہلا میرا بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد علی

کا بیٹا حسن اور حسن کے بعد حسین اور حسین کے بعد علی ابن الحسین علی ابن الحسین کے بعد محمد ابن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) اور اے جابر تم اپنے امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کرو گے۔ پس جب اُن سے ملاقات کرو تو انھیں میرا اسلام پہنچا دینا اور محمد ابن علی کے بعد جعفر ابن محمد اُن کے بعد موسیٰ بن جعفر اُن کے بعد علی ابن موسیٰ اُن کے بعد محمد ابن علی اُن کے بعد علی ابن محمد اُن کے بعد الحسن بن علی العسکری اُن کے بعد محمد ابن الحسن العسکری علیھم السلام امام ہوں گے۔ محمد ابن الحسن العسکری زمین کو عدل وانصاف سے اُسی طریقہ سے پُر کر دیں گے جس طریقہ سے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

منجملہ نصوص کے وہ حدیث ہے جس میں جناب رسالت مآب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خداوندِ عالم نے ایام میں روز جمعہ کا انتخاب فرمایا اور مہینوں میں ماہِ رمضان کو منتخب فرمایا اور شبوں میں شبِ قدر کو چنا اور انسانوں میں انبیاء کو برگزیدہ فرمایا اور انبیاء میں رسولوں کو منتخب فرمایا اور رسولوں میں میرا انتخاب ہوا، بعد مجھ سے علیؑ کو منتخب فرمایا اور علی سے حسنؑ اور حسینؑ کو منتخب فرمایا اور حسینؑ سے نو اوصیاء کو منتخب فرمایا جو حسینؑ علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے۔

یہ اوصیاء گمراہ کرنے والوں کی تحریف اور مبطلین کی اضافہ کردہ اشیاء اور جاہلوں کی تاویل سے دین اسلام کو پاک وصاف کرتے رہیں گے۔

دوسری دلیل: امام سابق کی امام لاحق پر نصوص متواترہ ہیں اور یہ نصوص اس کثرت سے ہیں کہ جن کا احصار و شمار نہیں کیا جا سکتا۔ علمائے امامیہ نے ہر صدی میں ان نصوص کو بطریق تواتر نقل کیا ہے۔

تیسری دلیل: امام کا معصوم ہونا واجب ہے اور آئمہ اثناء عشر کے علاوہ کوئی

معصوم نہیں ہے۔ پس آئمہ اثناء عشر کے علاوہ کوئی امام نہیں ہے۔ عصمت کا ذکر شرائط امامت میں گزر چکا۔ رہا یہ امر کہ آئمہ اثناء عشر علیہم الاسلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ائمہ اثناء عشر علیہم السلام کے علاوہ کسی کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ البتہ ائمہ اثناء عشر آئمہ برحق ہیں ان کے علاوہ کوئی امام نہیں ہے۔

چوتھی دلیل: آئمہ اثناء عشر علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ میں افضل اہل زمانہ تھے جیسا کہ اہل اسلام کی کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہے پس امامت کے لیے یہی حضرات معیّن ہیں ورنہ تفضیل مفضول علی الفاضل لازم آئے گی جو عقلاً قبیح ہے۔

پانچویں دلیل: آئمہ اثناء عشر علیہم السلام میں سے ہر ایک نے دعوائے امامت کیا اور معجزات کو ظاہر فرمایا۔

پس ان حضرات میں سے ہر ایک امام برحق ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔ ان حضرات کے معجزات کو علماء امامیہ نے نقل کیا ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کتابوں میں علامہ راوندی کی کتاب خرائج اور دیگر علماء اعلام کی کتب جن میں ان حضرات کے معجزات کو جمع کیا گیا ہے، کا مطالعہ ان حضرات کے معجزات پر اطلاع پانے کے لیے کافی ہوگا۔

بارہویں امام کی غیبت

بارہویں امام علیہم السلام یعنی محمدؑ ابن الحسن العسکری القائم المنتظر المہدی عجل اللہ ظہورہ ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنی ولادت کے وقت سے

اس وقت تک زندہ ہیں اور آخر زمانِ تکلیف تک باقی رہیں گے کیوں کہ ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود ضروری ہے اس لیے کہ امام معصوم پر جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں وہ عام ہیں کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے پس آپ ہی امام ہیں آپ طولِ عمر کو بنظر استعجاب (تعجب) دیکھنا باطل ہے اتنی طولانی عمر بعید از عقل نہیں ہے خصوصاً جب کہ گزشتہ زمانہ میں اس سے کہیں زائد عمر والے سعید بھی گزر چکے ہیں اور شقی بھی۔ آپ کی غیبت کا سبب یا تو وہ مصلحت باری تعالیٰ ہے جس کو باری تعالیٰ عز اسمہ ہی جانتا ہے یا آپ کی غیبت کا سبب دشمنوں کی کثرت اور ناصروں کی قلت ہے۔ محقق طوسی علیہ الرحمۃ کے مطابق آپ کی غیبت کا سبب حکمت باری تعالیٰ اور خود ان حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات نہیں ہوسکتی کیوں کہ حکمت باری تعالیٰ اور عصمت آنحضرت علیہ السلام کا مانع لطف قرار پانا جائز نہیں۔ آپ کا ظہور لطف ہے جو بندوں کی طاعت سے قریب اور معصیت سے دور کرنے والا ہے پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کی غیبت کا سبب غیر ہے جو دشمن اسلام ہے۔

علماء کا قول ہے کہ امام قائم منتظر عجل اللہ ظہورہ کو بچپن ہی میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے حکمت وفعل خطاب عنایت فرمایا تھا اور اللہ جل شانہٗ نے آپ کو عالمین کے لیے ایک آیت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ جناب یحیٰؑ کے متعلق ارشاد ہے، اے یحیٰؑ کتاب کو قوت کے ساتھ لے لو اور ہم نے یحیٰؑ کو بچپنے میں ہی نبوت دے دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارشاد ہے کہ جب مریم کی قوم نے دریافت کیا کہ یہ بچہ کہاں سے آیا۔ جناب مریم نے عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ عیسیٰؑ سے دریافت کرلو تب مریم کی قوم نے کہا کہ ہم اس بچہ سے کس طرح کلام

کریں کہ جو ابھی گھوارہ میں ہے۔ باری تعالیٰ عز اسمہ نے امام قائم منتظر عجل اللہ ظہورہ کی عمر کو اسی طریقہ سے طولانی فرمایا کہ جس طریقہ سے خضر والیاس کی عمر کو طولانی فرمایا اور بعض عارفین کاملین مثلاً شیخ محی الدین عربی نے امام قائم منتظر علیہ السلام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب ظہور فرمائیں گے تو ۳۶۰۔ اللہ والے کامل الایمان مرد آپ کے ساتھ ہوں گے جو رکن و مقام کے درمیان آپ کی بیعت کریں گے اور جن لوگوں کو آپ کی وجہ سے سعادت حاصل ہو گی۔ ان میں سب سے بہتر اہل کوفہ ہوں گے اور مال کی تقسیم میں انصاف سے کام لیں گے۔ رعایا میں عدل وانصاف فرمائیں گے۔ قضایا کو حق کے ساتھ فیصل فرمائیں گے۔ دین کے ختم ہو جانے پر آپ ظہور فرمائیں گے جو شخص آپ کی امامت کا انکار کرے گا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو شخص آپ سے جنگ کرے گا وہ ذلیل و رسوا ہو گا۔ حقیقی دین کو ظاہر فرمائیں گے اگر جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم موجود ہوتے تو وہی حکم فرماتے جو امام قائم منتظر فرمائیں گے اور وہ فقہا جن کی تقلید کی جارہی ہو گی آپ کے دشمن ہوں گے لیکن آپ کی تلوار کے خوف و رعب و دبدبہ و نیز مال دنیا کے لالچ کی وجہ سے آپ کے زیر اثر ہو جائیں گے اور وہ کاملین عارفین جو کشف شہود کی وجہ سے حقائق اشیاء پر مطلع ہوں گے خداداد معرفت کی وجہ سے آپ کی بیعت کریں گے اور آپ کے کچھ مخصوص مرد ہوں گے جو آپ کے ناصر اور دعوت الی الحق کو قائم کرنے والے ہوں گے۔ یہی مرد آپ کے وزاء ہوں گے جو بار حکومت کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ امام قائم منتظر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مہدی آلِ محمدؐ ہیں۔ آپ کی جود وسخا پُرزور بارش کے طریقہ پر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ برحق یہی ہوں گے۔ حیوانات کی زبان سمجھیں گے ان

کی عدالت جن، و انس دونوں میں جاری ہوگی۔ (بحوالہ ینابیع المودۃ)

اس گوہر صدف ولایت کی تاریخ پیدائش اکثر روایات کے مطابق ۱۵ ر شعبان ۲۵۵ھ ہے۔ آپ ناف بریدہ و ختنہ کردہ پیدا ہوئے اور آپ کے دائیں کندھے پر یہ آیت کندہ تھی (ترجمہ) حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی والا تھا۔

شیخ عبدالوہاب المشرانی فی کتابہ الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے

امام قائم منتظر علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہیں یہاں تک کہ آپ عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کے ساتھ جمع ہوں گے۔ آپ کی عمر شریف ہمارے زمانہ میں ۹۵۸ھ میں ۷۰۳ سال کی ہے۔

ہر زمانہ میں وجود امام پر استدلال اور غیبت امام علیہ السلام کے متعلق شبہات کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ باری تعالیٰ عز اسمہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت
بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ	اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا کہ اس
لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ	دین حق کو تمام ادیان پر غالب قرار دے
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.	اگرچہ مشرکین کو یہ امر ناگوار گزرے۔

اس آیت میں دین کے غلبہ سے دلیل و برہان کا غلبہ مراد نہیں ہے کیوں کہ آدم سے خاتم علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء ایک ہی دین کو لے کر آئے جو دین حق تھا۔ یہ دین حق ہر زمانہ میں غلبہ برہانی کے لحاظ سے تمام ادیان پر غالب رہا ہے۔ یہ غلبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی اس غلبہ کو غرضِ بعثت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا جا

سکتا ہے۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ غلبہ سے مراد غلبہ ظاہری ہے۔ یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے رسولؐ ہم نے تم کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ روئے زمین پر دین حق کے علاوہ کوئی دین نہ رہے یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے رسول ہونے کی غرض و غایت یہ ہے کہ تمام روئے زمین پر دین حق ہی رہے دین حق کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے۔

اربابِ عقل و دانش پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جب تک شے کی غرض و غایت وجود میں نہ آجائے اس وقت تک شے کو موجود رہنا چاہیے اگر علت غائی کے وجود میں آنے سے قبل شے معدوم ہوگئی تو فاعل کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ یعنی شے کے بنانے والے کو یہ علم نہ تھا کہ شے کی موجودگی میں علّت غائی وجود میں نہ آئے گی۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ وجود میں دین اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہیں ہوا کہ دین اسلام کے علاوہ روئے زمین پر کوئی دین نہ رہا ہو تو کیا معاذ اللہ باری تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ زمانہ وجود رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں دین اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہ ہوگا۔ پس یہ تقاضائے عقل و ایمان اجزائے رسالت میں سے کسی نہ کسی جزو کو ہر زمانہ میں اس وقت تک موجود رہنا ضروری ہے کہ جب تک دین اسلام کو تمام ادیان پر بایں معنیٰ غلبہ حاصل نہ ہو جائے کہ روئے زمین پر دین اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے۔ خواہ وہ جزو رسالت ظاہر ہو یا غائب۔ بہر حال موجود ہونا چاہیے ورنہ باری تعالیٰ کا معاذ اللہ جاہل ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔

ایک شبہ: غیبت اور عدم میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی غیبت امام اور عدم

امام عدم افادہ میں برابر ہیں جب دونوں برابر ہیں تو غیبت امام تسلیم کرنے میں کیا فائدہ ہے۔

جواب: غیبت اور عدم دونوں برابر نہیں ہیں اس لیے کہ امام موجود نہ ہونے کی صورت میں اللہ پر اعتراض لازم آتا ہے کہ بندوں کی ہدایت اور حفاظت شریعت کے لیے کوئی ہادی مقرر نہیں فرمایا اور غیبت کی صورت میں اللہ پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا بلکہ سبب غیبت کو دیکھا جائے گا غیبت امام کا سبب بندے ہیں۔ اللہ غیبت امام کا سبب نہیں ہے۔ محقق طوسی علیہ رحمۃ فرماتے ہیں:

وجود الامام لطف و	وجود امام اللہ کا ایک لطف ہے اور امام کا
تصرفه لطف آخر و	برسر اقتدار ہونا اللہ کا دوسرا لطف ہے اور
غیبتهٗ منّا	غیبت امام کا سبب بندے ہیں۔

دوسرا شبہ: غیبت کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ہم اپنے گزشتہ بیان میں ثابت کر آئے ہیں کہ تابقائے شریعت الاف الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء ۔ محافظِ شریعت کا وجود اللہ کی طرف سے ضروری ہے اسی محافظِ شریعت کو امام کہتے ہیں۔ عقل کے لحاظ سے وجود امام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت: اللہ امام بناتا رہے اور بندے اُسے قتل کرتے رہیں اس صورت میں تسلسل محال لازم آتا ہے یعنی لامتناہی ائمہ کا وجود ماننا پڑے گا جو عقلاً محال ہے اور ہر شخص میں امام ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

دوسری صورت: امام اپنی قوت مافوق البشر کے ذریعہ موجود رہے اور بندوں کی اس پر کوئی دسترس نہ ہو اس صورت میں بندوں کا مجبور ہونا لازم آتا ہے جو

منافی تکلیف ہے۔

تیسری صورت: امام موجود ہو کر غائب ہو جائے چوں کہ پہلی دونوں صورتیں باطل ہیں۔ اس لیے فقط ایک یہی صورت رہ جاتی ہے کہ امام موجود ہو اور غائب ہو اور بقائے سبب غیبت غائب رہے۔

تیسرا شبہ: طولِ حیات کے متعلق کہا جاتا ہے یعنی امام علیہ السلام اتنے زمانہ تک کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔

جواب: اصحابِ کہف کے متعلق جو نہ انبیاء تھے نہ معصوم اور نہ اللہ کی طرف سے ہادی تھے، قرآن کی صراحت کہ غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَبِثُوا فِی کَهْفِهِمْ ثَلاثَ مِائَةَ سِنِیْنَ وَازْدَادُوا تِسْعاً	اصحابِ کہف اپنے غار میں ۳۰۹ سال تک ٹھہرے رہے۔

اصحابِ کہف پر موت طاری نہیں ہوئی کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ	اور ہم اصحابِ کہف کو دائیں اور بائیں کروٹیں دلا رہے ہیں۔
تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظاً وَّهُمْ رُقُوْد''	تم اصحابِ کہف کو بیدار خیال کرتے ہو حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

اصحابِ کہف کا مفصل حال سورۃ کہف میں موجود ہے غیر معصوم و غیر ہادی کے تین سو نو سال تک سوتے رہنا پر نہ کوئی اعتراض کیا جاتا ہے اور نہ کوئی شبہ وارد ہوتا ہے لیکن امام معصوم ہادی کی طول حیات پر شبہات وارد کیے جاتے ہیں۔

جناب عزیر پیغمبر کا تذکرہ قرآن مجید سورۃ بقرہ میں ان الفاظ میں موجود ہے:

اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ" عَلٰی عُرُوْشِھَا فَقَالَ اَنّٰی یُحْیِیْ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْماً اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ

عزیر پیغمبر ایک قریہ کی طرف سے گزرے جس کے مکانات گرے پڑے تھے قریہ کے اس اُجاڑ کو دیکھ کر عزیر نے کہا کہ اس کے مُردوں کس طرح زندہ کرے گا پس اللہ نے عزیر پر سو سال تک موت کو طاری کردیا اور سو سال کے بعد پھر زندہ کیا اور دریافت کیا کہ اے عزیر اس حالت میں کتنی مدت تک رہے عزیر نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن کے کچھ حصہ تک میری یہ حالت رہی اللہ نے فرمایا اے عزیر تم سو سال تک اس حالت میں رہے۔ ذرا اپنے کھانے اور پانی کی طرف تو دیکھو۔ ان دونوں چیزوں میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوا۔

عزیر پیغمبر کے کھانے اور پینے کی چیزوں میں سو سال تک تغیر نہ ہونے پر مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن ایک ہادی کی طولِ حیات پر اعتراض۔ اسی تناسب کو مدِ نظر رکھا جائے کہ کھانے اور پینے کی اشیاء جو ایک دو روز میں تغیر پذیر ہو جاتی ہیں، ان میں سو سال تک تغیر نہ ہو تو ایک ہادی جس کی عمر طبعی عام انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے کم از کم ساٹھ سال تک ہو سکتی ہے، کتنی مدت تک زندہ رہ سکتا ہے۔

چوتھا شبہ: غیبت امام میں امام کے وجود کا کیا فائدہ ہے اور وہ غائب رہ

کر کس طرح ہدایت فرما سکتے ہیں؟

جواب: قرآن مجید پر ایمان رکھنے والوں کا ایمان ہے کہ شیطان غائب رہ کر گمراہ کرتا ہے۔ شیطان گمراہ کرنے کے لیے کبھی سامنے نہیں آتا۔ قرآن مجید سے دریافت کرنا چاہیے کہ شیطان غائب رہ کر کس طرح گمراہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالی ہے:

يُوَسْوِسُ فِيُ صُدُوُرِ النَّاسِ — شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔

شیطان کے غائب رہ کر دلوں میں وسوسے پیدا کرتے رہنے پر تو ایمان ہو اور ایک ہادی کے غائب رہ کر دلوں میں توفیقات پیدا کرنے پر اعتراض جس طرح شیطان غائب رہ کر دلوں میں وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے، اسی طریقہ سے امام علیہ السلام بحالت غیبت دلوں میں توفیقات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ خدائے عز وجل کے عدل ولطف وکرم کا تقاضا ہے کہ گمراہ کنندہ کے مقابلہ میں ایک ہدایت کرنے والا موجود رہے اگر یہ ہادی کسی مصلحت کی بنا پر ظاہر نہیں ہے تو غائب رہ کر وساوس شیطانیہ کے مقابلہ میں توفیقات خیر دلوں میں پیدا کرتا ہے۔

اے پالنے والے ان کے ظہور میں تعجیل فرما اور ہم کو ان کی کامیابی دکھا اور ہمیں ان کے محبین اور ناصرین میں سے قرار دے اور ہمیں ان کی اطاعت اور رضا جوئی کی توفیق عنایت فرما اور ان کی مخالفت اور ان کے غضب سے محفوظ رکھ۔ تمھیں محمدؐ وآلِ محمدؐ کا واسطہ۔ یاربّ العالمین۔

کتاب وصاحبِ کتاب

زیرِ نظر کتاب کے مصنف کا شجرۂ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت امام زین العابدینؑ تک پہنچتا ہے۔

سید خورشید عباس گردیزی، حضرت سید جمال الدین محمد یوسف گردیزیؒ کی اولاد سے ہیں۔ جنہوں نے ۱۰۸۳ء میں ملتان کو از سرِ نو آباد کیا اور یہاں ایسے علمی و دینی درس کی بنیاد استوار کی جس کے وسیلے سے اہل ایمان وایقان درست عقیدے سے جڑے رہے۔ صدیوں تک یہ سلسلۂ رشد وہدایت جاری رہا اور ہے۔ خورشید عباس گردیزی کے پردادا سید ذوالفقار علی گردیزی (وفات: ۱۷ جون ۱۹۱۶ء) کی باطنی علوم پر مبنی مبسوط تصنیف ''مطلع الاسرار'' تاحال قلمی موجود ہے۔

مصنف کے دادا سید ناصر الدین عبادت ومطالعہ کے ایسے دھنی تھے کہ انہی مقتدر مشاغل کی کثرت سے بصارت کے ماند پڑتے چلے جانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کا قائم کردہ کتب خانہ ناصریہ علمی نوادرات کے مراکز میں شمار ہوتا ہے۔

کتب خانہ ناصریہ کی تزئین نو ''امام کا تقرر'' کے مصنف کے والدِ گرامی سید محمد رمضان شاہ گردیزیؒ (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۷۷ء) کے ذریعے عمل میں آئی جن کا تحریر کردہ نسب نامہ بشکل مخطوطہ محفوظ ہے۔ کتابوں کی تادیز حفاظت کے لئے عمارت کی دیواروں میں ہوا کے گزر کا اہتمام صرف اسی کتب خانے کا حصہ ہے۔

آباؤ اجداد کے اسی ورثے کے امین سید خورشید عباس گردیزی نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنے لباس سے وطن عزیز کا پہلا پرچم تیار کیا اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ سے داد پائی۔ مصنف کے ذخیرۂ مخطوطات پر عالمی و جامعاتی سطح کا تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ اسی طرح ان کی پہلی تصنیف ''ارضِ کربلا''، تحقیقی لحاظ سے روضہ مبارک کی تاریخ پر استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ مصنف کی شخصیت میں اتحاد بین المسلمین اور تالیفِ قلوب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا جذبہ موجزن ہے جس نے انہیں یہ تازہ تصنیف ''امام کا تقرر'' منظر عام پر لانے کی تحریک دی ہے جن کے دلائل و براہین سے آراستہ ہونے کی گواہی علمائے باعمل کی جانب سے فراہم ہوئی ہے۔ کتاب ''امام کا تقرر'' میں مصنف نے اس مؤقف کو قرآنی و عقلی دلائل سے واضح کیا ہے کہ امام، ہادی یا خلیفہ کا تقرر سراسر منصوص من اللہ ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے عمل میں آتا ہے مختصر یہ کہ اس قیمتی کتاب کے موضوعات کی عملی تفسیر اہل اسلام کو ایک مرکز پر یکجا کرنے اور دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانے میں ممد ومعاون ہوگی۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے ایک مصرعے ''اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہوشیار باش'' میں اہلِ ایمان کو جو دعوتِ فکر وعمل دی تھی اسکی تعبیر وتفسیر ''امام کا تقرر'' میں مفصل پائی جاتی ہے۔

(ڈاکٹر) شوذب کاظمی

صدر شعبۂ اردو۔ گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج۔ ملتان